الجامعۃ الاشرفیہ کا دینی و علمی ترجمان

ماہ نامہ

مبارک پور

اشرفیہ

مارچ
2025

قابلِ ذکر ہے کہ 10 جنوری 630ء کو جب فتح مکہ ہوئی تو وہ دن تھا بیس رمضان المبارک سنہ 8 ہجری کا، اس وقت بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام روزے سے تھے۔ یقیناً رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت ہمیں اس بات کا درس دیتی ہے روزہ کسی بھی جائز کام کو مانع نہیں، اور روزے کی حالت میں رہتے ہوئے رزقِ حلال کی جستجو کرنا، ذاتی اور سماجی نوعیت کے کام کرنا یہاں تک کہ جہاد کرنا خود ہمارے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ آج ہمارا حال یہ ہے کہ روزے کی حالت میں ہمارے نوجوانوں کی بڑی تعداد روزے کے بہانے سے اہم اور ضروری کاموں کو بھی التوا کے خانے میں ڈال دیتی ہے، ضرورت ہے ہمیں اپنے آقا کی سنت پر چلنے کی۔

مبارک حسین مصباحی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بیادگار: حضور حافظِ ملت علامہ شاہ الحاج عبد العزیز قدس سرہٗ بانی الجامعۃ الاشرفیہ

الجامعۃ الاشرفیہ کا دینی و علمی ترجمان

ماہ نامہ

اشرفیہ

مبارک پور

زیرِ سرپرستی

عزیز ملت حضرت علامہ شاہ

عبد الحفیظ عزیزی

سربراہِ اعلیٰ

الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور

THE ASHRAFIA MONTHLY Mubarakpur. Azamgarh (U.P.) India. 276404

جلد نمبر 50 شمارہ 3 | مارچ 2025ء | رمضان 1446ھ

مجلس ادارت

مدیر اعلیٰ : **مبارک حسین مصباحی**

منیجر : محمد محبوب عزیزی

تزئین کار : مہتاب پیامی

مجلس مشاورت

مولانا محمد احمد مصباحی

مفتی محمد نظام الدین رضوی

مولانا محمد ادریس بستوی

مولانا محمد عبد المبین نعمانی

ترسیل زر و مراسلت کا پتہ

دفتر ماہنامہ اشرفیہ، مبارک پور اعظم گڑھ یو۔ پی۔ ۲۷۶۴۰۴

+91 9935162520 (Manager)

زرِ تعاون

قیمت عام شمارہ: 30 روپے

سالانہ (بذریعہ سادہ ڈاک) 300 روپے

سالانہ (بذریعہ رجسٹری) 600 روپے

سری لنکا، بنگلادیش، پاکستان، سالانہ

750 روپے

دیگر بیرونی ممالک

$25 امریکی ڈالر   £20 پونڈ

نوٹ: آپ ماہنامہ اشرفیہ ہر ماہ انٹرنیٹ پر بھی پڑھ سکتے ہیں۔

http://www.aljamiatulashrafia.org

Email : ashrafiamonthly@gmail.com

mubarakmisbahi@gmail.com

info@aljamiatulashrafia.org

BHIM

BHIM UPI Payments Accepted at

ASHRAFIA MONTHLY

ASHRAFIA MONTHLY

A/c No. 3672174629

Central Bank Of India

Branch : Mubarakpur IFSC : CBIN0284532

اکاؤنٹ میں رقم جمع کرنے کے بعد آفس کے نمبر پر فون کریں یا بذریعہ ڈاک مطلع کریں۔ (منیجر)

مولانا محمد ادریس بستوی نے فیضی کمپیوٹر گرافکس، گورکھ پور سے چھپوا کر دفتر ماہ نامہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ سے شائع کیا۔

مشمولات

اداریہ	ہر روز روزِ عید ہو ہر شب شب براءت	مہتاب پیامی	5
	مطالعۂ قرآن		
تفہیم قرآن	بعث بعد الموت قرآنی آیات کی روشنی میں (آخری قسط)	مولانا حبیب اللہ بیگ ازہری	9
	فقہیات		
آپ کے مسائل	کیا فرماتے ہیں علماے دین	مفتی محمد نظام الدین رضوی	12
	نظریات		
فکر امروز	طلبۂ مدارس کا اخلاقی انحطاط اور اس کا تدارک	محمد عارف مصباحی	14
	اسلامیات		
شعاعیں	روزہ خواہشات سے بچنے کے لیے ڈھال	حافظ افتخار احمد قادری	17
	ماہِ صیام رب تعالیٰ کا حسین انعام	محمد مدثر حسین اشرفی	20
	شخصیات		
انوار حیات	شیخ العارفین علامہ مخلص الرحمٰن جہانگیری	محمد ذکی	23
	اساطین تصوف		
ذکر جمیل	حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ	مفتی محمد اعظم مصباحی مبارک پوری	26
	سیاسیات		
آئینۂ عالم	مستقبل میں دنیا کی مسلم آبادی	شمائلہ زماں۔ ترجمہ مہتاب پیامی	29
	بزم خواتین		
چراغ خانہ	نئے دور کی نئی ذمہ داریاں/تعلیم یافتہ لڑکیاں	صبیحہ جمال/ڈاکٹر جہانگیر حسن مصباحی	31
	بزم دانش		
فکر و نظر	اسلام دشمن طاقتوں کی سازشیں	مولانا آصف جمال جمالی مصباحی/مولانا محسن رضا ضیائی	35
	ادبیات		
گوشۂ ادب	نعت خوانی کے آداب و اقدار	مفتی توفیق احسن برکاتی	42
نقد و نظر	حضرت نوح علیہ السلام کا اسلوب دعوت و تبلیغ	تبصرہ نگار: مفتی محمد اعظم مصباحی	48
	مکتوبات		
صداے بازگشت	محمد شہروز کٹیہاری/ڈاکٹر ظہور احمد دانش/محمد شاہد رضا نعمانی		51
	سرگرمیاں		
عالمی خبریں	فلسطینیوں کے انخلا کے خلاف احتجاج/جنگ کے مقاصد/لبنان پر صیہونی جارحیت		53
خیر و خبر	ممبئی میں حضور عزیز ملت کا شان دار استقبال/بھیونڈی میں حافظ ملت کانفرنس		55
	منظومات		
خیابان حرم	منقبت/نعت	مولانا محمد قاسم مصباحی/مہتاب پیامی	58

اداریـــــــــہ

موسمِ بہاراں کا نقطۂ آغاز

مہتاب پیامی

دنیا بھر کے مسلمان رمضان المبارک کی تیاریاں کر رہے ہیں، امسال رمضان المبارک کی یہ ۱۴۴۵ویں بہار ہے۔ روزے کی فرضیت کا حکم تحویلِ قبلہ کے واقعہ سے کم و بیش دس پندرہ روز بعد نازل ہوا، آیتِ صیام شعبان کے مہینے میں نازل ہوئی جس میں رمضان المبارک کو ماہِ صیام قرار دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝۱۸۳ (البقرہ183)

ترجمہ: اے ایمان والو تم پر روزے فرض کیے گئے جیسے اگلوں پر فرض ہوئے تھے کہ کہیں تمھیں پرہیز گاری ملے۔

نیز ارشاد فرمایا:

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَ الْفُرْقَانِۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ؕ (البقرۃ185)

ترجمہ: رمضان کا مہینہ جس میں قرآن اترا لوگوں کے لیے ہدایت اور رہنمائی اور فیصلہ کی روشن باتیں تو تم میں جو کوئی یہ مہینہ پائے ضرور اس کے روزے رکھے۔

مشرکین مکہ کی ستم رانیوں کے سبب بہ اذن الٰہی مسلمانوں نے مکہ کو خیرباد کہا اور مدینہ آباد فرمایا۔ ہمارے آقا و مولا سید کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بہ حکم الٰہی سرزمینِ مدینہ کو رونق بخشی۔ یہ واقعہ تاریخ اسلام میں اتنی بڑی تبدیلی کا نقطۂ آغاز تھا کہ بعد میں اسے اسلامی تقویم کا نقطۂ آغاز قرار دیا گیا۔ ہجرت کے ڈیڑھ سال 10 شعبان المعظم سنہ 2 ہجری/624ء میں جب رمضان کے روزے فرض کیے گئے تو پہلا رمضان شریف مارچ کے مہینے میں آیا۔ مارچ مدینہ والوں کے لیے بہار کا موسم تھا۔ اس مہینے میں جزیرہ نما عرب خصوصًا مدینہ کا درجۂ حرارت نسبتًا معتدل ہوتا ہے، جب کہ گرمیوں میں شدید گرمی صحرا اور شہری علاقوں دونوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے۔

رمضان کے روزے جب فرض کیے گئے اس سے پہلے ایسا نہیں تھا کہ روزے نہیں رکھے جاتے تھے۔ ماہرین کا کہنا ہے کہ اسلام کی آمد سے قبل بھی مکہ اور مدینہ میں لوگ مخصوص تاریخوں پر روزہ رکھتے تھے۔ اس کے علاوہ کئی لوگ عاشورہ کے دن روزہ رکھتے تھے جب کہ کچھ ہر قمری ماہ کی 13، 14 اور 15 تاریخ کو بھی روزے رکھتے تھے۔ اسلام کی آمد کے بعد صحابۂ کرام بھی عاشورا کا روزہ اور دیگر روزے انتہائی ذوق و شوق سے رکھتے تھے، البتہ یہ ضرور ہے کہ مکمل ایک مہینہ رمضان المبارک کے روزے رکھنا ان اولین مسلمانوں کے لیے ایک غیر معمولی اور منفرد تجربہ تھا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور کے ایسے شواہد موجود ہیں، جو یہ ظاہر کرتے ہیں کہ پہلے سال مسلمان رمضان کے روزے رکھنے کے عادی ہونے میں کچھ مشکلات کا سامنا کر رہے تھے لیکن باوجود اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رمضان سے متعلق

تعلیمات کو سمجھنے اور اس پر عمل پیرا ہونے میں انھوں نے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ وہ تاریخ کا پہلا رمضان تھا، نفسیاتی اور جسمانی آزمائشوں کا پہلا انفرادی سال لیکن صحابۂ کرام نے مستقل مزاجی سے پورا رمضان گذارا۔

رمضان کے روزوں کی فرضیت سے کچھ ہی عرصہ قبل، تحویل قبلہ کی آیت بھی نازل ہوئی اور بیت اللہ ہمارا قبلہ قرار پایا۔

یہ بڑی تبدیلیاں تھیں اور ان تمام تبدیلیوں کا آغاز اس وقت ہوا جب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام نے مدینہ میں ایک مضبوط بنیاد قائم کر لی تھی۔ سمتِ قبلہ کی تبدیلی اور ایک مکمل مہینے کے مسلسل روزے رکھنے سے مسلمانوں کو گہری سطح پر یہ احساس ہوا کہ وہ دیگر توحیدی مذاہب، یعنی عیسائیوں اور یہودیوں سے علاحدہ ایک دینی امت ہیں، مذکورہ تمام واقعات نے ان کے اندر اپنی مذہبی شناخت کے بارے میں ایک مضبوط شعور پیدا کیا۔

یہاں یہ بات واضح کر دینا ضروری ہے کہ رمضان کے روزوں کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ یہ سابقہ امتوں پر بھی فرض تھے، یہودیوں نے رمضان مہینے سے ہٹا کر یومِ عاشورا کو منتقل کر دیا اور ایک دن تک محدود کر دیا اور عیسائیوں نے اپنی مرضی سے تیس دن کے روزوں میں اس کے آگے پیچھے متعدّد وجوہات سے اسے پچاس دنوں کا کر دیا۔ یعنی سابقہ دونوں امتوں نے احکامِ خداوندی کے خلاف اپنی عبادتوں کا ضابطہ مقرر کیا۔

ہم ذکر کر رہے تھے مسلمانوں کے پہلے رمضان کا، یاد رہے کہ پہلے رمضان کے ساتھ ایک انتہائی اہم تاریخی واقعہ بھی تاریخ میں مذکور ہے، یعنی اسی پہلے رمضان میں مسلمانوں کو پہلی بڑی جنگ، غزوۂ بدر، کا سامنا کرنا پڑا، قلیل تعداد کے باوجود صحابۂ کرام نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں کفار و مشرکین سے جہاد کیا اور نصرتِ الٰہی سے کامیاب و کامران ہوئے۔ یہ فتح اس لحاظ سے بھی تاریخی حیثیت رکھتی ہے کہ اس نے دینِ اسلام کی تاریخی بقا کو یقینی بنایا اور بعد میں اسلام پوری دنیا میں پھیل گیا۔

سنہ 2 ہجری میں جب فرضیتِ رمضان کا حکم نازل ہوا تو قرآن مجید نے (جو ہمیشہ ایمان والوں کے لیے ایک متوازن راستہ پیش کرتا ہے تاکہ ان کی زندگی کو آسان اور منصفانہ بنایا جا سکے) افراد کے لیے روزے میں رعایت بھی رکھی، سورۃ البقرہ کی آیت 184 میں فرمایا:

اَیَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِیْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَیَّامٍ اُخَرَ ؕ وَ عَلَى الَّذِیْنَ یُطِیْقُوْنَهٗ فِدْیَةٌ طَعَامُ مِسْكِیْنٍ ؕ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَیْرًا فَهُوَ خَیْرٌ لَّهٗ ؕ وَ اَنْ تَصُوْمُوْا خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۴﴾

ترجمہ: گنتی کے دن ہیں تو تم میں جو کوئی بیمار یا سفر میں ہو تو اتنے روزے اور دنوں میں اور جنھیں اس کی طاقت نہ ہو وہ بدلہ دیں ایک مسکین کا کھانا پھر جو اپنی طرف سے نیکی زیادہ کرے تو وہ اس کے لیے بہتر ہے اور روزہ رکھنا تمھارے لیے زیادہ بھلا ہے اگر تم جانو۔

روزہ ہر فرد پر بلا استثنا فرض تو کیا گیا لیکن ساتھ میں یہ رعایت دے دی گئی کہ جو بیمار ہیں، یا سفر میں ہیں یا اپنے بدن میں اتنی قوت نہیں پاتے کہ روزہ رکھ سکیں تو وہ اپنی اس شرعی حاجت کے پیش نظر روزہ ترک کر سکتے ہیں البتہ انھیں روزوں کا فدیہ دینا ہوگا۔

تفسیر صراط الجنان میں ہے کہ حیض و نفاس والی عورت کو تو روزہ رکھنے کی اجازت ہی نہیں وہ تو بعد میں قضا کرے گی۔ اس کے علاوہ بھی چند افراد ہیں جنھیں روزہ چھوڑنے کی اجازت ہے مذکورہ آیت میں بطورِ خاص بیمار اور مسافر کو رخصت دی گئی ہے لیکن یہ یاد رہے کہ سفر سے مراد تین دن کی مسافت یعنی ساڑھے ستاون میل یعنی بانوے کلو میٹر ہے، اگر اس سے کم فاصلے کا سفر ہے تو روزہ چھوڑنے کی اجازت ہرگز نہیں۔ اسی طرح مریض کو بھی رخصت ہے جب کہ اسے روزہ رکھنے سے مرض کی زیادتی یا ہلاک ہونے کا اندیشہ ہو، بعد

میں ممنوع ایام کے علاوہ اور دنوں میں روزہ رکھ لے۔

خزائن العرفان میں اس کی تفصیل یوں ہے کہ:

(1)... جو فی الحال بیمار نہ ہو لیکن مسلمان ماہر طبیب یہ کہے کہ وہ روزے رکھنے سے بیمار ہو جائے گا وہ بھی روزہ چھوڑ سکتا ہے۔

(2)... حاملہ یا دودھ پلانے والی عورت کو اگر روزہ رکھنے سے اپنی یا بچے کی جان کا یا اس کے بیمار ہو جانے کا اندیشہ ہو تو اس کو بھی روزہ ترک کرنا جائز ہے۔

(3)... جس مسافر نے طلوعِ فجر سے قبل سفر شروع کیا اس کو تو روزہ چھوڑنے کی اجازت ہے لیکن جس نے طلوعِ فجر کے بعد سفر کیا اس کو اُس دن کا روزہ چھوڑنے کی اجازت نہیں۔

شیخ فانی یعنی وہ بوڑھا جس کی عمر ایسی ہو گئی کہ اب روز بروز کمزور ہی ہوتا جائے گا، جب وہ روزہ رکھنے سے عاجز ہو یعنی نہ اب رکھ سکتا ہے اور نہ آئندہ ہی اس میں اتنی طاقت آنے کی امید ہو کہ روزہ رکھ سکے، اس کے لیے جائز ہے کہ روزہ نہ رکھے اور ہر روزے کے بدلے فدیے کے طور پر نصف صاع یعنی ایک کلو 920 گرام گندم یا اس کا آٹا یا اس کی قیمت دے دے۔ اور اگر فدیہ جَو سے دینا ہو تو گندم سے دُگنا دینا ہوگا۔ یہ بھی یاد رہے کہ اگر فدیہ دینے کے بعد روزہ رکھنے کی قوت آگئی تو روزہ رکھنا لازم ہو جائے گا۔

فدیہ کی مقدار تو مخصوص ہے البتہ اگر کوئی زیادہ دینا چاہے تو بخوشی دے سکتا ہے۔ جتنا زیادہ دے گا اتنا ہی ثواب بڑھتا جائے گا۔ جیسے بعض صحابۂ کرام نے نماز کے خشوع و خضوع میں فرق پڑنے پر پورا باغ صدقہ کر دیا۔ یہاں یہ مسئلہ بھی یاد رہے کہ مسافر و مریض کو روزہ نہ رکھنے کی اگرچہ اجازت ہے لیکن زیادہ بہتر و افضل روزہ رکھنا ہی ہے، جیسا کہ آیت کے آخر میں فرمایا: وَ اَنۡ تَصُوۡمُوۡا خَیۡرٌ لَّکُمۡ یعنی تمھارا روزہ رکھنا تمھارے لیے بہتر ہے۔

روزے کی دشواریوں کے باوجود، جو ایک مسلمان کی جسمانی برداشت کے ساتھ ساتھ اس کی نفسیاتی قوت کا بھی امتحان لیتی ہیں، رمضان بے شمار برکتیں اور اللہ کی مغفرت لے کر آتا ہے، جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ یہ احساس بالکل ایسے ہے جیسے کوئی شخص ایک طویل میراتھن مکمل کرنے کے بعد زبردست راحت محسوس کرتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ کی زیرِ تربیت رہ کر صحابۂ کرام نے رمضان کو اپنی روحانی زندگی کا مرکزی دور سمجھا، اس لیے ان کی تمام انسانی سرگرمیاں رمضان کے آداب کے مطابق منظم ہو گئیں۔ آج بھی ترکی میں لوگ پرانے رمضان سے اپنی شدید محبت کا اظہار کرتے ہیں، تو یہ عام طور پر ماقبل جدید دور کی طرف اشارہ ہوتا ہے، جب کام کے اوقات بھی رمضان کے آداب کے مطابق ترتیب دیے جاتے تھے۔

اسلامی نقطۂ نظر کے مطابق، روزہ صرف کھانے پینے سے رکنے کا نام نہیں، بلکہ اپنے گناہوں اور برے اعمال سے پاکیزگی حاصل کرنے کی کوشش ہے، یہ ایک ایسی ڈھال ہے جو مسلمانوں کو برائی سے محفوظ رکھتی ہے۔ لوگوں کے ساتھ زیادہ صبر و تحمل کا مظاہرہ کرنا، اور برے الفاظ سے بچنا، روزہ دار کی بنیادی خصوصیات میں شامل ہیں۔ ایک مقام پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ کو اس شخص کے بھوکے اور پیاسے رہنے کی کوئی ضرورت نہیں، جو برے الفاظ اور برے اعمال کو ترک نہیں کرتا۔''

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی ہی روحانی تربیت کے سبب صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اس ماہِ مبارک کی عبادات میں اضافہ فرمادیا کرتے تھے تاکہ زیادہ سے زیادہ برکتیں حاصل کر سکیں۔

رمضان کے آخری عشرے میں، نبی کریم ﷺ عبادت میں مشغول ہونے کے لیے مسجد میں اعتکاف کرنا پسند فرماتے تھے۔ اعتکاف کا مطلب ہے کہ انسان دوسروں سے الگ ہوکر اپنی تمام تر توجہ اللہ تعالیٰ کی عبادت پر مرکوز کرے اور دنیاوی معاملات سے دور ہوجائے تاکہ وہ اپنی زندگی کے مقصد اور سمت کو بہتر طور پر سمجھ سکے۔

عبادت اور روزہ کا مطلب یہ نہیں کہ تمام کام اور روزمرہ کی سرگرمیاں ترک کردی جائیں۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں اپنے روزمرہ کے معمولات کو ترک نہیں کرتے تھے، اگر روزے کی حالت میں کوئی کام کرنا ہوتا تو کرتے، آپ نے کبھی روزے کی بنیاد پر آج کے کام کو کل پر نہیں ٹالا۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ غزوۂ بدر کے دوران بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بحالتِ روزہ مجاہدین صحابہ کرام کی رہنمائی کمانڈر کی حیثیت سے فرمائی۔

یہ بھی قابلِ ذکر ہے کہ 10 جنوری 630ء کو جب فتح مکہ ہوئی تو وہ دن تھا بیس رمضان المبارک سنہ 8 ہجری کا، اس وقت بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام روزے سے تھے۔ یقیناً رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت ہمیں اس بات کا درس دیتی ہے روزہ کسی بھی جائز کام کو مانع نہیں، اور روزے کی حالت میں رہتے ہوئے رزق حلال کی جستجو کرنا، ذاتی اور سماجی نوعیت کے کام کرنا یہاں تک کہ جہاد کرنا خود ہمارے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ آج ہمارا حال یہ ہے کہ روزے کی حالت میں ہمارے نوجوانوں کی بڑی تعداد روزے کے بہانے سے اہم اور ضروری کاموں کو بھی التوا کے خانے میں ڈال دیتی ہے، ضرورت ہے ہمیں اپنے آقا کی سنت پر چلنے کی۔

ساڑھے چودہ سو برس میں حالات میں زمین آسمان کا فرق نمودار ہوچکا ہے، آج کے مسلمانوں اور پہلے مسلمانوں کے درمیان صرف اخلاقیات ہی نہیں، بلکہ ان کے روزہ، سحری اور افطار کے معمولات میں بھی کافی فرق آچکا ہے۔ ہمارے اور صحابہ کرام کے درمیان رمضان کے کھانے کے حوالے سے واضح فرق موجود ہے۔ آج انواع و اقسام کے کھانے ہمارے دسترخوان پر چنے ہوتے ہیں لیکن تاریخ شاہد ہے کہ پہلے مسلمانوں کے پاس اس قسم اور مقدار کے کھانے نہیں ہوا کرتے تھے۔ وہ بھی سحری کھاتے تھے لیکن کیسی؟ ان کی سحری ایسی ہوتی تھی جس کا تصور آج کے کئی مسلم گھروں کے لیے تقریباً ناممکن ہے، ان کی سحری میں محض چند کھجوریں اور تھوڑا پانی ہوا کرتا تھا اور بس۔ افطار بھی بہت سادہ، عیش و آرام اور فضول خرچی سے دور۔ اگر انہیں ایک قسم کا کھانا میسر آتا تو وہ اسی پر خوش رہتے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے، آج کل تو نہ جانے کیا کیا ہوتا ہے پھر بھی ہم ناشکرے بنے پھرتے ہیں۔ ان میں اکثر لوگ کھجور کو پیس کر آٹے یا پانی کے ساتھ ملا کر اپنا کھانا بناتے، یا بھنے ہوئے آٹے کو زیتون کے تیل کے ساتھ ملا کر کھانا تیار کرتے تھے۔

624ء میں مدینہ میں کچھ لوگ ایسے بھی تھے جن کی پہنچ مذکورہ کھانوں تک بھی نہیں تھی۔ چناں چہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے متمول مسلمانوں کو یہ ترغیب دی کہ وہ اپنے افطار میں دیگر مسلمانوں کو بھی شریک کریں اور ایسے لوگوں کو ترجیح دیں جن کے پاس مناسب افطار کا انتظام نہ ہو۔ اس طرح رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے افطار کے دسترخوان پر دوستوں، رشتہ داروں اور غریبوں کو مدعو کرنے کی مضبوط روایت کی بنیاد رکھی۔ خاص طور پر اصحابِ صفہ کہ جن کا نہ کوئی گھر بار تھا، نہ کوئی خاندان، انھوں نے محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ میں سکونت اختیار فرمائی تھی اور علمِ دین حاصل کرنے کے لیے اپنی زندگیوں کو وقف کر چکے تھے، حضور نے لوگوں کو ترغیب دی کہ وہ اصحابِ صفہ کو بھی اپنے یہاں افطار میں شریک کیا کریں۔ خود ہمارے آقا بھی ضرورت مند مسلمانوں کو اپنے درِ دولت پر مدعو فرمایا کرتے اور اپنے دسترخوان سے انھیں رحمتوں کے نوالے عطا کیا کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو سیرتِ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ ■■■

تفہیم قرآن

آخری قسط

بعث بعد الموت

قرآنی آیات کی روشنی میں

مولانا محمد حبیب اللہ بیگ ازہری

قرآن کریم نے اس واقعہ کو بعث کی دلیل کے طور پر ذکر کیا، اور فرمایا کہ جس رب نے اصحاب کہف کو ان کے غار سے تین سو سال کے بعد زندہ سلامت باہر نکالا وہی رب حشر کے دن اپنے بندوں کو دوبارہ زندہ کرے گا، اور حساب وکتاب کے لیے حاضر کرے گا۔

جل کر راکھ ہونے والا مردہ زندہ ہو گیا:

بخاری شریف میں حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے گزشتہ امتوں کے ایک شخص کا ذکر کیا اور فرمایا کہ سابقہ ادوار میں ایک مال دار اور صاحب اولاد شخص تھا، جب اس کی جاں کنی کا وقت آیا تو اس نے اپنے بچوں سے پوچھا: میرا تمھارے ساتھ کیسا سلوک رہا؟ سب نے کہا کہ آپ ہمارے لیے بہترین باپ تھے، اس نے کہا کہ میں نے اپنی آخرت کے لیے کچھ نہیں کیا، اگر اسی حال میں دنیا سے چلا گیا تو عذاب الٰہی میں گرفتار ہو جاؤں گا؛ لہٰذا تم سب سے میری ایک وصیت ہے، اور وہ یہ ہے:

فانظروا فإذا مت فأحرقوني، حتى إذا صرت فحما فاسحقوني، أو قال: فاسهكوني، ثم إذا كان ريح عاصف فأذروني فيها، فأخذ مواثيقهم على ذلك. وربي، ففعلوا ذلك.

یعنی میں اگر مر جاؤں تو مجھے جلا دینا، جب میں جل کر کوئلہ ہو جاؤں تو مجھے ریزہ ریزہ کر دینا، پھر جب تیز ہوائیں چلے تو ان ہواؤں میں میرے جسم کے باریک ذرات کو اڑا دینا۔ باپ نے اس بات پر اپنی اولاد سے عہد لیا۔ اور بچوں نے وہ وصیت پوری کر دی۔

سابقہ ادوار میں ایسی وصیت کی اجازت رہی ہوگی، یا پھر جانکنی کے وقت عقل ماؤف ہو چکی ہوگی، اس لیے ایسی دردناک وصیت کر دی، بہر حال ہماری شریعت میں ایسی وصیت کی اجازت نہیں۔ اور اگر کوئی ایسی وصیت کر دے تو از روے شرع اس کا نفاذ درست نہیں۔ آگے حدیث پاک میں ہے کہ: فقال الله: كن، فإذا رجل قائم، فقال: أي عبدي! ما حملك على ما فعلت؟ قال: مخافتك أو فرق منك، فما تلافاه أن رحمه.

[بخاری شریف، کتاب الرقاق، باب الخوف من اللہ، ج:۲، ص:959]

جو بندہ جل کر کوئلہ بنا، کوئلے سے راکھ بنا، راکھ سے باریک ذرات کی شکل میں تبدیل ہو گیا، پھر تیز ہواؤں کے ساتھ اڑ کر کائنات کے گوشے گوشے میں پھیل گیا، اللہ رب العزت نے اس بندے کے منتشر ذرات کو حکم دیا اور فرمایا: کن، وہ تو بندہ حسب سابق انسان بن کر خدا کے حضور حاضر ہو گیا، اللہ نے پوچھا: بندے! تجھے کس چیز نے ایسا کرنے پر مجبور کیا؟ اس نے جواب دیا: تیرے حضور حاضری کے خوف نے مجھے اس وصیت پر مجبور کیا، اللہ کی رحمت نے دست گیری کی، اور اللہ نے اسے اس درجہ خوف کے باعث معاف کر دیا۔

اس واقعہ سے واضح ہو گیا کہ اگر کوئی مر جائے اور زیر زمین دفن ہونے کے بعد اس کے اعضا خاک میں مل جائیں، یا کوئی جل کر راکھ ہو جائے اور اس کے ذرات ہواؤں میں منتشر ہو جائیں، یا ڈوب کر مر جائے اور اس کے اجزا سمندری جانوروں کی خوراک بن جائیں، یا کسی کو درندے پھاڑ کر کھا جائیں اور وہ دوسرے جانوروں کا جز بن جائے، کوئی کسی بھی طرح مر جائے اور پس مرگ اس کے جسم کے ساتھ کچھ بھی ہو جائے اللہ رب العزت اس بندے کے اجزا کو جمع کرے گا، ان میں روح

پھونکے گا اور اسے سابقہ صورت میں دوبارہ زندہ کرے گا اور یہ اس کے لیے نہایت ہی آسان ہے، فرمایا:

يَوْمَ يَدْعُوْكُمْ فَتَسْتَجِيْبُوْنَ بِحَمْدِهٖ وَ تَظُنُّوْنَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۵۲﴾ [سورۂ اسرا:52]

یعنی بعث اسی دن ہوگا جس دن تمھارا رب تمھیں آواز دے گا، تم اس کی حمد وثنا کرتے ہوئے اس کے حضور حاضر ہوجاؤ گے اور یہ گمان کرو گے کہ دنیا میں بہت کم دنوں تک رہے۔

مذکورہ بالا آیات وواقعات کو پڑھنے کے بعد اس بات کا بخوبی اندازہ ہو گیا ہوگا کہ بعث برحق ہے اور اس کے امکان ووقوع پر اتنے صریح نصوص اور قطعی دلائل موجود ہیں کہ کسی کے لیے شک یا انکار کی گنجائش نہیں، ان نصوص قطعیہ کے ہوتے ہوئے اگر کوئی بعث میں شک کرے وہ قرآن کریم، اللہ عزوجل کی لامتناہی قدرتوں اور ضروریات دین کا منکر ہے، ایسا شخص دائرۂ اسلام سے خارج اور کافر ہے۔

کسی کو یہ شبہہ ہو سکتا ہے کہ دنیا میں دوبارہ زندگی کے جتنے واقعات ہیں سب میں ایک محدود تعداد میں مردوں کے زندہ ہونے کا ذکر ہے اور آخرت کا بعث سارے جن وانس، جملہ حیوانات وبہائم بلکہ جمیع مخلوق کو شامل ہے، تو دنیا میں پیش آنے والے واقعات پر آخرت کے بعث کو کیوں کر قیاس کیا جا سکتا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ کے لیے قلیل وکثیر، ضعیف وقوی، آسان اور مشکل کوئی چیز نہیں، اس کے لیے جیسے ایک کو بنانا اور فنا کرنا ہے ویسے ہی سب کو بنانا اور فنا کرنا ہے، فرمایا:

مَا خَلْقُكُمْ وَ لَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ﴿۲۸﴾ [لقمان:28]

تم سب کو پہلی بار پیدا کرنا اور دوبارہ اٹھانا اللہ کے لیے ایسے ہی آسان ہے جیسے ایک جان کو پہلی بار بنانا اور دوبارہ اٹھانا آسان ہے، یعنی اس کے لیے سب برابر ہے اور سب آسان ہے، بے شک اللہ خوب سننے اور دیکھنے والا ہے۔

بعث پر ایمان لانا ضروری کیوں؟

عقیدۂ بعث عقیدۂ آخرت کی بنیاد ہے اور عقیدۂ آخرت عقیدۂ توحید کی بنیاد ہے، اس طرح عقیدۂ بعث عقیدۂ توحید کی بنیاد ہے، اس کی قدرے توضیح یہ ہے کہ اللہ کی الوہیت ووحدانیت، رسول اللہ ﷺ کی رسالت وخاتمیت، قرآن کریم کی صداقت وحقانیت اور دیگر ضروریات دین کو ماننے کا واحد مقصد اخروی نجات ہے، اگر اخروی نجات کی فکر نہ ہو تو پھر بندے اللہ کی بندگی، رسولوں کی پیروی اور شریعت کی پاس داری سے غافل ہوجائیں گے اور نفس وشیطان کے دام فریب میں آکر جانوروں سے بدتر زندگی گزارنے لگیں گے، ایک فکر آخرت ہی ہے جو بندوں کو اللہ ورسول کی اطاعت وفرماں برداری کا خوگر بناتی ہے، کتاب وسنت کا پابند بناتی ہے، نفس وشیطان کی پیروی سے روکتی ہے، اور دنیا سے بے نیازی کی تعلیم دیتی ہے۔

یہی وہ آخرت ہے جس کی خاطر دنیا بھر کے مسلمان اپنے مال واولاد کو قربان کر دیتے ہیں، اپنی خواہشات کو بالائے طاق رکھ دیتے ہیں، اپنے اعزہ واقربا کو فراموش کر دیتے ہیں، اپنے دوست واحباب کی ناراضگی مول لیتے ہیں اور نا جانے کیسی کیسی مشقتیں برداشت کرتے ہیں۔

جس آخرت کی خاطر سب کچھ ہو رہا ہے اس کا ایک وقت مقرر ہے، اس وقت کے آنے سے پہلے آخرت کا کوئی تصور نہیں ہو سکتا، یوں ہی اس وقت کے بغیر بھی آخرت کا کوئی تصور نہیں ہو سکتا، اسی لیے جو آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس کے لیے لازم وضروری ہے کہ وہ آخرت کے مقررہ وقت کو بھی مانے اور عالم آخرت تک پہنچانے والے تمام مراحل کو تسلیم کرے۔

قرآن وحدیث کے واضح اطلاقات کے مطابق بعث روز آخرت کی تمہید ہے، یا یوں کہہ لیجیے کہ بعث آخرت کا نقطۂ آغاز ہے، کیوں کہ دنیا کی زندگی ختم ہوجانے کے بعد قیامت قائم ہوگی، پہلے صور پر قیامت آئے گی، دوسرے صور پر بعث ہوگا، اسی کے بعد حشر ونشر ہوگا، پھر جنت ودوزخ کے فیصلے ہوں گے، ایسا ناممکن ہے کہ بعث نہ ہو اور حشر ونشر، حساب وکتاب اور جنت ودوزخ کے فیصلے ہوجائیں، اسی لیے جو روز آخر کو برحق مانتا ہے اس پر ضروری ہے کہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جانے پر یقین

رکھے، اور ہر قسم کے شکوک وشبہات سے بالاتر ہوکر بعث بعد الموت کو تسلیم کرے، اور اس کے حق ہونے پر ایمان لائے۔

اسی سے یہ بات بھی واضح ہوجاتی ہے کہ جو بعث کا منکر وہ آخرت کا منکر، اور جو آخرت کا منکر وہ ضروریات دین کا منکر، اور جو ضروریات دین کا منکر وہ کافر اور دائرۂ اسلام خارج، اسی حال میں مرجائے تو ہمیشہ کے لیے جہنم میں رہے گا، اسی لیے قرآن کریم نے جگہ جگہ عقیدۂ بعث کو واضح کیا، اور بعث پر ایمان لانے کو لازم اور ضروری قرار دیا۔

عقیدۂ بعث اور ہم: بعث بعد الموت حتمی اور یقینی ہے، ہر شخص پر ضروری ہے کہ وہ بعث بعد الموت پر کامل ایمان رکھے، اور روز آخرت کی بھرپور تیاری کرے، اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

یعنی اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور ہر شخص دیکھے کہ اس نے کل کے لیے کیا بھیجا، یعنی آخرت کی کیا تیاری کی؟ اللہ سے ڈرو، اللہ تمھارے کاموں سے باخبر ہے۔ اور ان کی طرح مت ہوجاؤ جنھوں نے اللہ کو بھلا دیا تو اللہ نے انھیں اپنے آپ سے غافل کردیا، در اصل یہی لوگ فاسق اور نافرمان ہیں۔ جنتی اور جہنمی برابر نہیں ہوسکتے، جنتی لوگ ہی کامیاب اور بامراد ہیں۔

[سورۂ مجادلہ:20-18]

یہ آیات ہمیں فکر آخرت کی تعلیم دیتی ہیں، اور ہمیں بتاتی ہیں کہ دنیا فانی ہے اور آخرت دائمی ہے، دنیا کی نعمتیں محدود ہیں اور آخرت کی آسائشیں لامحدود ہیں، فانی دنیا کی خاطر آخرت کو فراموش کردینا عقل مندوں کا کام نہیں، اللہ کے نیک بندے ہمیشہ دنیا پر آخرت کو ترجیح دیتے ہیں، اور اپنے رب کے حضور حاضری سے خائف رہتے ہیں، ارشاد باری ہے:

اِنَّ الَّذِیۡنَ ہُمۡ مِّنۡ خَشۡیَۃِ رَبِّہِمۡ مُّشۡفِقُوۡنَ ﴿۵۷﴾ وَ الَّذِیۡنَ ہُمۡ بِاٰیٰتِ رَبِّہِمۡ یُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۵۸﴾ وَ الَّذِیۡنَ ہُمۡ بِرَبِّہِمۡ لَا یُشۡرِکُوۡنَ ﴿۵۹﴾ وَ الَّذِیۡنَ یُؤۡتُوۡنَ مَاۤ اٰتَوۡا وَّ قُلُوۡبُہُمۡ وَجِلَۃٌ اَنَّہُمۡ اِلٰی رَبِّہِمۡ رٰجِعُوۡنَ ﴿۶۰﴾ اُولٰٓئِکَ یُسٰرِعُوۡنَ فِی الۡخَیۡرٰتِ وَ ہُمۡ لَہَا سٰبِقُوۡنَ ﴿۶۱﴾ [سورۂ مومنون:57-61]

یعنی جو لوگ اللہ کے خوف سے خوف زدہ رہتے ہیں، اس کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے ہیں، جب کسی کو کچھ دیتے ہیں تو ان کے دل اس بات سے خائف ہوتے ہیں کہ انھیں اپنے رب کے حضور حاضر ہونا ہے، یہی لوگ بھلائی کے کاموں میں جلدی کرتے ہیں اور نیک کاموں میں سبقت لے جاتے ہیں۔

جو لوگ اللہ و رسول کے حکم کے مطابق اپنی زندگی گزارتے ہیں، اور روز آخرت کی تیاری کرتے ہیں وہ قیامت کے دن چین وسکون میں رہیں گے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

یعنی جن سے ہمارا پیشگی خیر کا وعدہ ہوچکا وہ جہنم کے عذاب سے دور رکھے جائیں گے، وہ جہنم کی ہلکی آواز بھی نہیں سنیں گے، اور اپنے پسندیدہ نعمتوں میں ہمیشگی کی زندگی گزاریں گے، قیامت کا ہولناک منظر انھیں بے چین نہیں کرے گا، فرشتے ان کا استقبال کریں گے، اور کہیں گے کہ یہی وہ دن ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔ [سورۂ انبیا:101-103]

ہمیں بھی چاہیے کہ ہم بعث بعد الموت پر یقین رکھیں، آخرت کی تیاری کریں، اللہ کے قہر وجلال اور اس کے غیظ وغضب سے اسی کی پناہ مانگیں اور اس بارگاہ میں یوں عرض کریں:

رَبَّنَا فَاغۡفِرۡ لَنَا ذُنُوۡبَنَا وَ کَفِّرۡ عَنَّا سَیِّاٰتِنَا وَ تَوَفَّنَا مَعَ الۡاَبۡرَارِ ﴿۱۹۳﴾ رَبَّنَا وَ اٰتِنَا مَا وَعَدۡتَّنَا عَلٰی رُسُلِکَ وَ لَا تُخۡزِنَا یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ ؕ اِنَّکَ لَا تُخۡلِفُ الۡمِیۡعَادَ ﴿۱۹۴﴾ [سورۂ آل عمران:193-194]

اے اللہ! ہمارے گناہوں کو بخش دے، ہمارے گناہوں کو مٹادے اور اپنے نیک بندوں کے ساتھ ہمیں موت دے، ہمیں وہ عطا فرما جس کا تو نے اپنے رسولوں سے وعدہ فرمایا، ہمیں قیامت کے دن رسوا نہ فرما، بے شک تو وعدہ خلافی نہیں کرتا۔ آمین، یارب العالمین۔

وصلی اللہ علی خیر خلقه سيدنا محمد وآله وأصحابه أجمعين، برحمتك يا أرحم الراحمين.

❊-❊-❊-❊

فَسْـَٔلُوْۤا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ

آپ کے مسائل

مفتی محمد نظام الدین رضوی

کیا فرماتے ہیں مفتیانِ دین
سوال آپ بھی کر سکتے ہیں

مدارس میں تنظیمی مشورے کرنا کیسا؟

سوال: دعوت اسلامی ہند تنظیم کے کئی سارے شعبہ جات ہیں جن میں سے دو شعبے (1) جامعۃ المدینہ اس میں درس نظامی مکمل کروایا جاتا ہے اور (2) مدرسۃ المدینہ اس میں حفظ و ناظرہ کی پڑھائی ہوتی ہے۔

یہ دونوں شعبہ جات کچھ مقامات پر تنظیم کی اپنی جگہ (جو کہ مدرسہ کے مد میں وقف ہے) پر قائم ہیں اور کچھ مقامات پر کرائے پر چل رہے ہیں۔

مذکورہ معلومات کی روشنی میں دریافت طلب امر یہ ہے کہ

1- مذکورہ شعبہ جات جہاں قائم ہیں کیا وہاں تنظیمی مشورے کر سکتے ہیں؟

2- تنظیم کی اپنی جگہ اور کرائے والی جگہ دونوں میں مشورے کے حوالے سے کیا حکم ہوگا؟

جواب: جو مجلس مشاورت دینی، علمی، عملی بیداری لانے اور مبلغین کی تربیت اور ارشاد و ہدایت کے لیے ہوتی ہے وہ دونوں تعلیمی شعبوں کے مدارس میں منعقد کی جا سکتی ہے۔ ہاں اس کا لحاظ رہے کہ ایسے وقت اور ایسے کمرے میں مشاورت نہ ہو جس کے باعث درس و تدریس کا نظام جاری رکھنے میں خلل واقع ہو۔ اہل سنت و جماعت کے مدارس میں اس طرح کی مشاورتی نشستیں ہوتی رہتی ہیں اور وہ اس طرح کی نشستوں کے لیے عموماً کوئی ہال یا کمرہ مخصوص نہیں رکھتے اور وقتِ حاجت کسی کمرے میں مشاورت بلکہ علمی فقہی سیمینار بھی منعقد کرتے ہیں یہ مدارس کا عرف و تعامل ہے۔ اور یہ عرف مدرسہ ہونے کی حیثیت سے درج بالا دونوں طرح کے مدارس جامعۃ المدینہ اور دارالمدینہ کا بھی قرار پائے گا۔ اہل خیر کی نگاہ میں مجلس مشاورت بھی مدارس سے وابستہ ایک شعبہ ہے لہذا اس کی بھی اجازت ہونی چاہیے خاص کر اس صورت میں کہ مشاورت سنت پر عمل کی نیت سے ہو ارشاد باری ہے:

وَ شَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ.

(القرآن الحکیم، سورۃ آل عمران:3، الآیۃ:159)

ترجمہ: اور کاموں میں ان سے مشورہ لو۔

نیز ارشاد ربانی ہے: وَ اَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ.

(القرآن الحکیم، سورۃ الشوری:42، الآیۃ:38)

ترجمہ: اور ان کا کام ان کے آپس کے مشورے سے ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ : مَا رَأَيْتُ أَحَدًا أَكْثَرَ مَشُورَةً لِأَصْحَابِهِ مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

جامع الترمذی، ابواب الجہاد عن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، باب ماجاء فی المشورۃ.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ کا بیان ہے کہ میں نے کسی کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے زیادہ اپنے اصحاب سے مشورہ کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔

ہاں مناسب یہ ہے کہ ان مدارس میں مشاورت کے لیے کوئی ہال مختص رکھا جائے اور اسی میں اپنی میٹنگ کریں اس سے تعلیم میں خلل بھی نہ واقع ہوگا اور جواز میں کوئی شبہ بھی نہ

رہے گا۔ ہمارے بڑے مدرسوں میں ایسا ہی نظم ہوتا ہے اس طرح درسگاہی کمرے درس کے لیے ہمہ وقت محفوظ رہتے ہیں اور مدرسہ کا بنیادی مقصد بھی برقرار رہتا ہے ارشاد باری ہے:

كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَ بِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ. (القرآن الحکیم، سورۃ آل عمران:3،الآیۃ:79)

ترجمہ: اللہ والے ہو جاؤ اس سبب سے کہ تم کتاب سکھاتے ہو اور اس سے کہ تم درس کرتے ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم

آفس کے اے سی کو کام کے وقت کے علاوہ رات میں آرام کرنے کے لیے استعمال کرنا کیسا؟

سوال: دعوت اسلامی ہند کے کئی سارے شعبہ جات ہیں جن میں سے کئی شعبہ جات ایسے ہیں جن کے آفس بھی ہیں ان آفس سے شعبہ جات میں کام کرنے والے ذمہ داران کے کاموں کا جائزہ لیا جاتا ہے اور رپورٹ وغیرہ تیار کی جاتی ہے نیز آفس میں شعبہ کے حوالے سے مشورہ بھی ہوتا ہے جس میں شعبہ میں کام کرنے والے ذمہ داران شرکت کرتے ہیں۔

کچھ شعبہ جات کے آفس میں اے سی بھی لگے ہوئے ہیں جن کو حسب ضرورت کام کے وقت استعمال کیا جاتا ہے کبھی کبھی شعبہ کے آفس میں دیگر ذمہ داران کا بھی آنا ہوتا ہے (ان آنے والے ذمہ داران میں کسی ذمہ دار کا تعلق تو اسی آفس سے ہوتا ہے اور کوئی دوسرے شعبہ کا بھی ہوتا ہے) نیز کبھی کبھی کوئی مہمان بھی آفس میں آجاتا ہے الغرض مختلف ذمہ داران کا آفس میں آنا جانا لگا رہتا ہے۔ اور کبھی کبھی رات آفس میں ہی گزرتی ہے۔

مذکورہ معلومات کی روشنی میں دریافت طلب امور یہ ہیں کہ

1۔ آفس میں آنے والے ذمہ داران کا رات کو آرام کے وقت آفس کا اے سی استعمال کرنا کیسا؟ خواہ اس ذمہ دار کا تعلق اسی شعبہ سے ہو یا وہ دوسرے شعبہ کا ذمہ دار ہو نیز رات میں رکنے والے مہمان کے لیے اے سی کے حوالے سے کیا حکم ہوگا؟

2- کبھی کبھی سخت گرمی ہوتی ہے اور صبح مشورے میں بھی شرکت کرنا ہے اگر نیند پوری نہ ہوئی تو مشورہ میں اچھے انداز میں شرکت نہیں ہو پائے گی تو ایسی صورت میں آفس کا اے سی چلا کر سو سکتے ہیں؟

3- نیز اس آفس میں کام کرنے والے اگر رات کو آرام کرنے کے لیے آفس میں ہی رک جائیں تو ان کا اے سی استعمال کرنا کیسا؟ مفتی صاحب کی بارگاہ میں عرض ہے مذکورہ مسئلہ کے حوالے سے ہماری رہنمائی فرمائیں کرم نوازی ہوگی۔

جواب: تحریک نے جن اغراض و مقاصد کے لیے آفس قائم کی ہے ان تمام اغراض و مقاصد میں آفس کی اے سی کا استعمال جائز ہے۔

آفس کا وقت یوں بھی چھ سے آٹھ گھنٹے ہوتا ہے تو اس میعاد کے لیے اے سی کا استعمال یوں بھی جائز ہے۔ دیگر امور کے لیے مختلف شعبہ جات کے ذمہ داروں اور کارکنوں کے ساتھ مشاورت ہوتی ہے اگر اس کے لیے وقت زیادہ لگے تو زائد وقت میں بھی اے سی چلانی جائز ہوگی اور اس میں مہمان ٹھہرتے ہیں یا گاہے بگاہے شعبہ جات کے کارندے رات میں ٹھہر جاتے ہیں تو تحریک کو ان کے لیے بھی اے سی کے استعمال کی اجازت دینی چاہیے۔ سبب یہی ہے کہ آفس میں ہونے والے کام مختلف انواع کے ہیں، کوئی ایک نوع مخصوص نہیں اور سب انواع کے کاموں کے لیے الگ الگ روم کا انتظام بھی مشکل ہو سکتا ہے۔ اس طور پر دیکھا جائے تو آفس کی اے سی مختلف اغراض و مقاصد میں اور کم و بیش مختلف اوقات میں استعمال ہونے کے سلسلے میں عام ہے اور تحریک اس کو عام مقاصد میں استعمال کرنے کی اجازت بھی دے سکتی ہے کہ آفس بھی تحریک کی، اے سی بھی تحریک کی اور نوع بنوع کام بھی تحریک کے، تو تحریک اجازت کو عام یا محدود رکھنے کا اختیار رکھتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم ▫▫▫

فکر امروز

طلبۂ مدارس کا اخلاقی انحطاط اور اس کا تدارک

محمد عارف مصباحی

بلا شبہ مدارس اسلامیہ وہ درس گاہیں ہیں جہاں سے شعور وآگہی اور تہذیب و اخلاق کی کرنیں پھوٹتی ہیں، اس کی روشنی میں طلبہ شاہ راہ حیات طے کرتے ہوئے منزل مقصود تک پہنچتے ہیں۔ یہی وہ مدارس ہیں، جنھوں نے تاریخ کے ہر دور میں دین کے مجاہد، علم کے خواص اور اخلاق و کردار کے علم بردار پیدا کیے ہیں۔ یہی وہ مراکز ہیں جہاں سے رازی، ابن رشد، امام نووی، ذہبی، ابن جوزی، سیوطی اور امام غزالی رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین جیسے نابغہ روز گار علماے کرام پیدا ہوئے۔ یہی وہ ادارے ہیں جہاں سے مشائخ اشرفیہ کے عظیم سپوتوں نے علم و عمل سے مزین ہو کر مخدوم اشرف کی تعلیمات کو زندہ رکھا، یہ سلسلہ اشرفیہ کے روحانی فیضان کے امین ہیں، ان کے علمی و روحانی کارنامے آج اہل محبت کے لیے مشعل راہ ہیں۔ معلوم ہوا کہ مدارس اسلامیہ نے امت کو ایسے ہیرے عطا کیے جو زمانوں کی پیشانی پر چمکتے رہے، گویا مدارس نے تاریک راتوں میں ہدایت کی مشعلیں روشن کیں، ایسا اس لیے کہ طلبہ کو قران وسنت کی تعلیم کے ساتھ ساتھ اخلاق و کردار کے چشمے میں غسل کرایا جاتا ہے، ایسا اس لیے کہ دین اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے، جس میں اخلاق و کردار کو خصوصی اہمیت دی گئی ہے مگر افسوس کا مقام ہے کہ آج تعلیمی انحطاط اور اخلاقی تنزل کے اس ہوش ربا دور میں جب ہم طلبۂ مدارس کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں تعلیم تو نظر آتی ہے لیکن اکثر طلبہ میں اخلاقی کمزوریاں دیکھنے کو مل رہی ہیں، جو مدارس کی روح اور اسلامی تعلیمات کے منافی ہیں۔

تمام طلبۂ مدارس اسلامیہ کو عمدہ اخلاق سے مزین ہونا ضروری ہے، کیوں کہ ہم اہل تصوف ہیں اور تصوف کی بنیاد ہی تہذیب و اخلاق پر ہے۔ آج قرآن و حدیث کی روشنی میں ہم ان کمزوریوں کا جائزہ لیں گے اور اس کے تدارک کے لیے کچھ لائحۂ عمل پیش کریں گے۔ اللہ تعالی قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے:

”وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْا اِلَّا اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا.“ (الاسراء:23)

ترجمہ: اور تمھارے رب نے حکم فرمایا کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔

یہ آیت ادب و احترام کا بنیادی اصول بتاتی ہے اساتذہ اور والدین کے ساتھ حسن سلوک اور ادب طلبہ کی اخلاقی تربیت کا اولین مرحلہ ہے۔

”اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَ“ (الانفال:58)

ترجمہ: بے شک اللہ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

جھوٹ بولنا، خیانت کرنا، غضب سے کام لینا، بد اخلاقی کا مظاہرہ کرنا اور دھوکا دینا بڑی اخلاقی کمزوری ہے جو ہمارے طلبہ کو زیب نہیں دیتی۔

رسول کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اکمل المؤمنين ايمانا احسنهم خلقا.

(جامع ترمذی، رقم الحدیث:1162)

ترجمہ: مؤمنوں میں سے ایمان کے لحاظ سے کامل وہ ہے جس کے اخلاق اچھے ہوں۔

اور دوسری حدیث میں ارشاد فرماتے ہیں:

ان من خيارکم احسنكم اخلاقاً .

(بخاری شریف، رقم الحدیث:3559)

ترجمہ: تم میں سے سب سے اچھا وہ ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں۔

اسی طرح ہے ایک اور حدیث مبارکہ میں ارشاد فرمایا:

انما بعثت لاتمم مكارم الاخلاق .

(مؤطاامام مالک)

ترجمہ: مجھے مکارم اخلاق کی تکمیل کے لیے مبعوث کیا گیا ہے۔

یہ احادیث مبارکہ ہم سے تقاضا کرتی ہیں کہ ہم اپنے اخلاق کو اخلاق حسنہ سے مزین کریں، خود کو اکمل المومنین بنانے کے لیے اخلاق حسنہ کو اختیار کریں۔ مدارس کے طلبہ کو چاہیے کہ اپنے اخلاق کو سنواریں تاکہ ہم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حقیقی وارث کہلانے کے حق دار ہو سکیں کیوں کہ تعلیم و تربیت کا مقصد محض علم کا حصول نہیں بلکہ اخلاق کو سنوارنا اور کردار کو نکھارنا ہے۔ مدارس کے طلبہ کے لیے لازم ہے کہ وہ اپنے علم کے ساتھ اپنے اخلاق کو بھی بہتر بنائیں تاکہ ہم دین کے سچے نمائندے بن سکیں۔

اخلاقی انحطاط کے اسباب:

(1) اساتذہ کی بے ادبی: بہت سارے طلبہ اساتذہ کا ادب و احترام نہیں کرتے اور اگر کرتے بھی ہیں تو وہ طریقہ ملحوظ خاطر نہیں رکھتے جو ہمارے اسلاف کا طریقہ تھا۔

(2) جھوٹ اور خیانت: جھوٹ بولنا گناہ کبیرہ ہے اور یہ ایسا گناہ کبیرہ ہے کہ قرآن کریم میں جھوٹ بولنے والوں پر اللہ کے لعنت کی گئی ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔ "لعنة الله على الكاذبين ترجمہ: جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ڈالیں۔

خیانت کے بارے میں اللہ تبارک و تعالیٰ قرآن میں ارشاد فرماتا ہے:

"يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَخُونُوا اللهَ وَالرَّسُولَ وَتَخُونُوا أَمَانَاتِكُمْ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ." (الانفال:27)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ و رسول سے دغا نہ کرو اور نہ اپنی امانتوں میں دانستہ خیانت کرو۔ (کنزالایمان)

حدیث مبارکہ میں ہے خیانت منافقت کی علامت ہے:

عن ابي هريرة عن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قال : آية المنافق ثلاث: إذا حدث كذب وإذا وعد اخلف وإذا اوتمن خان.

(بخاری شریف کتاب الایمان، ج:اول، ص:10)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: منافق کی تین علامتیں ہیں: گفتگو کے دوران جھوٹ بولتا ہے، وعدہ کی خلاف ورزی کرتا ہے اور امانت میں خیانت کرتا ہے۔

(3) وقت کا ضیاع: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

نعمتان مغبون فيهما كثير من الناس: الصحة والفراغ. (بخاری شریف، رقم الحدیث 6412)

ترجمہ: دو نعمتیں ایسی ہیں جن میں لوگ خسارے میں رہتے ہیں: صحت اور فارغ وقت۔

وقت وہ سرمایہ ہے جو کبھی واپس نہیں آتا، مگر افسوس طلبہ اکثر اس کی ناقدری کے شکار ہوتے ہیں۔ یاد رکھیں اپنی سیرت و شخصیت کے حقیقی معمار ہم خود ہیں، بلا شبہ شخصیت کی تعمیر میں تعلیم گاہ کا اہم کردار ہوتا ہے، استاد کی توجہ اور تربیت سے بڑا فائدہ ہوتا ہے، لیکن ہمیں اپنے آپ کو سنوارنا ہے کیونکہ جو خود کو بنانے اور سنوارنے کی ذمہ داری قبول کر لیتا ہے وہ دینی ترقی کے مدارج طے کرتا ہے۔

(4) اخلاص کی کمی: بعض طلبہ کے اندر اخلاص کی کمی

ہوتی ہے، وہ دوران طالب علمی سے ہی اس چکر میں پڑجاتے ہیں کہ فارغ ہونے کے بعد وہ کہاں پر اور کس طرح معاشی زندگی کو خوشگوار بنائیں گے، اس فکر میں بسا اوقات اپنے اخلاص کی چادر کو بھی تار تار کر دیتے ہیں۔ بعض طلبہ کا اصل مقصد امتحان میں کامیاب ہو کر عالم، مفتی کی ڈگری کا حصول ہوتا ہے تاکہ ان ڈگریوں کے ذریعے وہ اپنے نام میں مولانا اور مفتی لکھ سکیں کسی ادارے کے ناظم بن سکیں۔ اور متعدّد دنیوی منفعتیں ہوتی ہیں جو ابتدا سے ہی ذہنوں میں پیوست ہوتی ہیں۔ طلبہ کو چاہیے کہ اپنی نیتوں کو خالص کریں، کیونکہ بخاری شریف کی پہلی حدیث ہے۔ انما الاعمال بالنیات۔ ترجمہ: بے شک اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔ اس لیے طلبہ اپنی نیت میں اخلاص پیدا کریں۔

(5) طلبہ مدارس میں اخلاقی انحطاط کی ایک وجہ، موبائل، انٹرنیٹ اور سوشل میڈیا ہے، موبائل اور انٹرنیٹ کے غلط استعمال نے آج طلبۂ مدارس کے اخلاقی اقدار کا جنازہ نکال دیا ہے اور فیشن پرستی میں مبتلا کر کے ہماری دینی حمیت و غیرت چھین لی ہے، تضیع اوقات اور تعلیمی نقصان، اخلاقی گراوٹ میں اس وقت موبائل اور انٹرنیٹ نے سب سے زیادہ افسوس ناک کردار ادا کیا ہے۔ سوشل میڈیا اور الیکٹرانک میڈیا کی افادیت سے انکار بھی نہیں کیا جاسکتا ہے، دینی مدارس کے طلبہ کو محتاط رہنے کی ضرورت ہے کیوں کہ زمانۂ طالب علمی میں وقت کو سب سے زیادہ ضائع کرنے اور ذہن کو سب سے زیادہ منتشر کرنے والی چیز سوشل میڈیا ہے اس لیے انٹرنیٹ کا استعمال مفید کام میں کرنا ہوگا۔

اخلاقی انحطاط کا تدارک:

(1) قرآنی احکامات پر عمل: طلبہ کو قرآن کی تعلیمات اپنی زندگی میں شامل کرنی ہوں گی۔ خاص طور پر سچائی، دیانت داری، ادب واحترام اور تقویٰ کو اپنانا ہوگا۔

(2) سیرت النبی کا مطالعہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زندگی بہترین نمونہ ہے، مدارس میں طلبہ کو سیرت النبی کی تعلیم دی جائے، سیرت النبی پر ورکشاپ کرائے جائیں تاکہ وہ اپنے اخلاق کو سنوار سکیں۔

(3) اخلاقی تربیتی نشستیں: مدارس میں ہفتہ وار اخلاقی دروس علمی و تربیتی محافل اور سیرت النبی پر مباحثے کا انعقاد کیا جائے تاکہ طلبہ میں اخلاقی شعور پیدا ہو۔

(4) مدارس میں ہفتہ وار ذکر و فکر کی محفل کا انعقاد ہو، طلبہ کو نفس کی خرابیوں اور عیاریوں سے آگاہ کیا جائے، نفس کشی کی عملی مشق کرائی جائے، ان کے اندر روحانیت کا شعور پیدا کیا جائے، حلقۂ ذکر کے ذریعے ان کے نفس میں ایمانی حرارت پیدا کی جائے۔

مدارس کے طلبہ مستقبل کے علما اور رہنما ہیں، ان کا کردار پاکیزہ اور مثالی ہونا چاہیے، لیکن آج جب ہم ان مقدس اداروں پر نظر ڈالتے ہیں تو ایک سوال جو دلوں کو تڑپاتا ہے کہ کیا یہ وہی مدارس ہیں جہاں سے علم و اخلاق کے روشن مینار ابھرتے تھے؟ کیا یہ وہی طلبہ ہیں جنہیں وارثین انبیا کہا گیا ہے "آج وہی مدارس جو اخلاق کے گہوارے تھے ان میں طلبہ کی اخلاقی گراوٹ نے سوالات کھڑے کر دیے ہیں۔ وقت کا ضیاع، اساتذہ کی بے ادبی، جھوٹ، حسد، اور کردار کی کمزوریاں ان عظیم درس گاہوں کی عظمت کو ماند کر رہی ہیں۔

مدارس کے طلبہ وہ چراغ ہیں جنھیں رات کے اندھیروں کو مٹانا ہے اگر طلبہ مدارس اخلاق حسنہ کو اپنا شعار بنالیں، قرآن و سنت کو اپنی زندگی کا حصہ بنالیں تو انشاء اللہ مدارس ایک بار پھر علم کے ساتھ ساتھ اخلاق و عمل کا مرکز بن جائیں گے۔ اور ہم قرآن و حدیث کے سائے میں اخلاق حسنہ کی وہ روشن مثال بنیں جو اس امت کو دوبارہ عظمت کی راہ پر گامزن کر دے۔

■■■

شعاعیں

روزہ خواہشات سے بچنے کے لیے ڈھال

حافظ افتخار احمد قادری

روزہ ہجرت کے بعد ۲ھ میں فرض ہوا۔ یہ دیگر عبادتوں کی بہ نسبت اس حیثیت سے خصوصی اہمیت کا حامل ہے کہ حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: کہ روزہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کی جزا دیتا ہوں۔ ایک روایت میں ہے کہ روزہ کی جزا میں ہی ہوں۔ (مکاشفۃ القلوب) بندے کے لیے اس سے بڑھ کر انعام اور کیا ہو سکتا ہے کہ اللہ رب العزت فرمائے کہ میں ہی جزا ہوں یعنی رمضان المبارک کے روزوں کی وجہ سے اللہ رب العزت روزہ دار بندے کا ہو جاتا ہے اور اللہ رب العزت جس بندے کا ہو جائے اس کے لیے اس کی کل نعمتیں ہو جاتی ہیں۔ بڑے خوش قسمت ہیں وہ جنہیں رمضان المبارک کے روزوں کی توفیق ملتی ہے۔

روزہ کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ نماز حج اور زکوۃ ادا کرنے والوں کے مقابلے روزہ داروں کا تناسب ہمیشہ زیادہ رہا ہے اور روزہ کے معاملے میں خاص طور سے عورتیں بہت حساس اور بیدار ہوتی ہیں۔ روزہ دار مردوں کی بہ نسبت روزہ دار عورتوں کی تعداد زیادہ ہوتی ہے امید کہ روزہ سے دل چسپی ہی مغفرت کا ذریعہ بن جائے گی۔ اللہ رب العزت روزہ کے صدقے میں روزہ کی طرح اور دیگر عبادات یعنی نماز حج اور زکوۃ کی ادائیگی کے تئیں بھی مسلمانوں میں احساس ذمہ داری اور بیداری پیدا فرمائے کہ ان سے بھی کسی کو مفر نہیں بلکہ یہ عبادتیں روزے سے کہیں زیادہ اہم اور ضروری ہیں۔

روزہ طلوع فجر صادق سے غروب آفتاب تک کھانے پینے اور جنسی تعلقات سے باز رہنے کا نام ہے۔ روزہ کی یہی ظاہری شکل ہے لیکن روزہ کی روح یہ ہے کہ مذکورہ تینوں چیزوں کے ساتھ ان تمام چیزوں سے بھی باز رہا جائے جو روزہ کے مقاصد اور اس کی تکمیل، حکمتوں اور اخلاقی و روحانی فوائد کے منافی ہیں۔ حقیقی اور کامل روزہ وہ ہے جس میں روزہ دار اپنے دل کو غلط خیالات اور فحش احساسات سے دور رکھے اور زبان کو کثرت گفتگو بدکلامی، شور و شغف، گالی گلوچ، جھوٹ، غیبت، چغلی اور لڑائی جھگڑے کی باتوں سے بچائے اور کان، آنکھ کو بھی ناجائز و حرام باتوں اور مناظر سے محفوظ رکھے۔

روزہ کا ایک مقصد اور خصوصیت یہ بھی ہے کہ بندہ خورد و نوش کے اس عادی نظام سے آزاد ہو کر سال میں مہینہ بھر زندگی کے کچھ ایسے لمحات گزارے جن میں لذت کام و دہن کا سامان دسترس میں ہونے کے باوجود بھوک اور پیاس کا مزہ چکھے اور اس میں ایسی روحانی لذت محسوس کرے جو نوع بہ نوع پر تکلف اور لذیذ اشیائے خورد و نوش میں بھی محسوس نہیں ہوتی اور اسے خلوے معدہ کی حالت میں خلوے خواہش نفسانی سے آزادی، روحانی لطافت و بالیدگی، سکون خاطر اور صفائے قلب حاصل ہو۔ لیکن آج مسلمان روزہ کے اس عظیم روحانی مقصود کے ساتھ بڑی بے انصافی سے کام لینے لگا ہے۔ افطار میں انواع واقسام کے پر تکلف اور لذیذ کھانوں کی ایسی فراوانی اور اس قدر غیر ضروری اہتمام ہونے لگا ہے کہ روزہ کی مقصدیت ہی فوت ہوگئی ہے۔ دن بھر بھوکا رہنے کے بعد جب روزہ دار پر تکلف دستر خوان اپنے سامنے پاتا ہے تو اذان مغرب ہوتے ہی ان کھانوں پر ٹوٹ پڑتا ہے حتیٰ کہ وہ کھانے کے سوا دعائے

کریم گنج، پورن پور، پیلی بھیت، یوپی iftikharahmadquadri@gmail.com

افطار پڑھنا اور وقت مستحب میں نماز مغرب ادا کرنا بھی بھول جاتا ہے اور کھانے کی محویت اسے اتنا بے حس بنا دیتی ہے کہ جب تک حلق تک پیٹ نہیں بھر لیتا کھانے سے ہاتھ نہیں کھینچتا۔ ایسی بسیار خوری کے نتیجہ میں جس نے دن بھر کھانے کی تلافی کر دی ہے۔ روزہ دار اپنے دشمن نفس شیطان پر غالب آنے اور شہوت دبانے کے بجائے مغلوب ہو کر شہوت کو مزید برانگیختہ کر لیتا ہے اور پھر صفائے قلب اور دیگر روحانی فوائد کا حصول تو کہاں معدے کے بوجھ سے وہ اتنا سست ہو جاتا ہے کہ قیام اللیل یعنی تراویح و تہجد کو بھی خطرے میں ڈال دیتا ہے۔ بعض لوگ تو ہوس میں معدہ اتنا زیادہ بھر لیتے ہیں کہ اگر سال بھر پیٹ صحیح رہتا ہو تو رمضان المبارک میں کثرت طعام کی وجہ سے معدہ خراب کر لیتے ہیں اور صبح سے دوپہر تک ڈکار، خروج ریاح اور صعود ریاح کی شکایت کرتے ہیں اور سر درد، الجھن اور چڑچڑا پن میں مبتلا ہو کر انتہائی بے کیفی کا دن گزارتے ہیں۔ ذرا غور کیجیے کیا روزہ کا یہی مقصد اور یہی فائدہ ہے؟ امام غزالی علیہ الرحمہ افطار کی کھانے میں بے احتیاطی پر تنبیہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

(روزہ کا) پانچواں ادب یہ ہے کہ افطار کے وقت حلال غذا میں بھی احتیاط سے کام لے اور اتنا نہ کھائے کہ اس کے بعد گنجائش ہی نہ رہے۔ اس لیے کہ حلق تک بھرے پیٹ سے بڑھ کر مبغوض اللہ کے نزدیک کوئی بھری جانے والی چیز نہیں ہے۔ اگر روزہ افطار کے وقت دن بھر کی تلافی کر دے اور جو دن بھر کھانے والا تھا وہ اس ایک وقت میں کھا لے تو دشمن خدا پر غالب آنے اور شہوت ختم کرنے میں روزہ سے کیا مدد مل سکے گی؟

یہ عادتیں مسلمانوں میں اتنی راسخ اور عام ہو چکی ہیں کہ رمضان المبارک کے لیے پہلے سے سامان خوراک جمع کیا جاتا ہے اور رمضان کے دنوں میں اتنا اچھا اور نفیس کھانا کھایا جاتا ہے جو اور دنوں میں نہیں کھایا جاتا۔ روزہ کا مقصود تو خالی پیٹ رہنا اور خواہشات کو دبانا ہے تاکہ تقویٰ کی صلاحیت پیدا ہو سکے۔ اب اگر معدہ کو صبح و شام تک کھانے پینے سے محروم رکھا جائے اور شہوت اور بھوک کو خوب امتحان میں ڈالنے کے بعد انواع و اقسام کے کھانوں سے پیٹ بھر لیا جائے تو نفس کی خواہشات اور لذتیں کم نہ ہوں گی اور بڑھ جائیں گی بلکہ ممکن ہے کہ بہت سی ایسی خواہشیں جو ابھی تک خوابیدہ تھیں وہ بھی بیدار ہو جائیں۔ رمضان المبارک کی روح اور اس کا راز ان طاقتوں کو کمزور کرنا ہے جن کو شیاطین اپنے وسائل کے طور پر استعمال کرتے ہیں اور یہ بات ثقیل غذا ہی سے حاصل ہو گی۔ یعنی یہ کہ شام کو اتنا ہی کھائے جتنا اور دنوں میں کھاتا تھا اگر کوئی دن بھر حساب لگا کر ایک وقت میں کھا لے تو اس سے روزہ کا فائدہ حاصل نہ ہو گا۔ (احیاء العلوم: 211)

بعض حضرات روزہ کے دنوں میں وقت گذاری اور بھوک پیاس کے احساس سے بچنے کے لیے اور دنوں کی بہ نسبت زیادہ سوتے ہیں۔ امام غزالی علیہ الرحمہ لوگوں کو تنبیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: (روزہ کے) آداب میں یہ بات بھی داخل ہے کہ دن میں زیادہ نہ سوئے تاکہ بھوک پیاس کا کچھ مزہ معلوم ہو۔ قویٰ کو ضعف کا احساس ہو، قلب میں صفائی پیدا ہو۔ اسی طرح اپنے معدہ کو اتنا ہلکا رکھے کہ تہجد اور اوراد و وظائف میں مشغولی آسان ہو اور شیطان اس کے دل کے پاس منڈلا نہ سکے اور اس صفائی قلب کی وجہ سے عالم قدس کا دیدار اس کے لیے ممکن ہو۔ (احیاء العلوم)

خلاصہ یہ کہ روزہ میں کم کھائے، کم بولے اور کم سوئے۔ ہر انسان روح اور جسم سے مرکب ہے اور اس کے اندر روحانیت و جسمانیت کی کشمکش ہمیشہ جاری رہتی ہے۔ ہر انسان اللہ رب العزت کی طرف سے اس بات کا مکلف بنایا گیا ہے کہ وہ اپنی روحانیت کو جسمانیت پر غالب رکھنے کی کوشش کرے۔ اللہ رب العزت اس سلسلہ میں انسان کی مدد اور تعاون کے لیے محض اپنے فضل و کرم سے دو مددگار بھی عنایت فرماتا ہے: ایک داخلی مددگار یعنی عقل اور ایک خارجی مددگار یعنی شریعت۔ انسان کے یہ دونوں قدرتی مددگار ہر وقت انسان کو ایسے اقدامات اور طور طریقوں سے روکتے رہتے ہیں جو انسان کی جسمانیت اور حیوانی جبلت کے غلبے

اور روحانیت کی مغلوبیت کا سبب ہوتے ہیں لیکن اکثر حالات میں عقل و شریعت کی رہبری اور تعاون سے فائدہ نہیں اٹھاتے اور عقل و شریعت کے احکامات کو نظر انداز کرتے رہتے ہیں اور ہوتا یہ ہے کہ جب انسان عقل و شریعت کی بندشوں اور قدغنوں سے بالکل بے پروا ہو جاتا ہے تو اس بے قدری کے نتیجہ میں رحمت الٰہی اس بندے سے روٹھ جاتی ہے اور اس انسان کی روحانیت اور حیوانی جبلت ایک دن اتنی زیادہ طاقتور اور زبردست ہو جاتی ہے کہ وہ انسان کی روحانیت کو مغلوب کرنے کے ساتھ ساتھ اس کی عقل اور شریعت کے تقاضوں کو بھی مغلوب کر دیتی ہے اور پھر انسان کے جسمانی رجحانات اور اس کی نفسانی خواہشات کو عقل و شریعت، اخلاق و روحانیت، صالح فطری جذبات واحساسات اور اعصاب پر مکمل بالادستی حاصل ہو جاتی ہے اور انسان کی سرگرمیوں کا پورا نظام معدے اور مادہ کی تسکین کی خاطر نفسانی خواہشات کا غلام بن جاتا ہے اور اسے بالکل یہ احساس نہیں رہ جاتا کہ وہ بندہ شیطان ہے یا بندہ رحمٰن؟ اور اس انسان سے خیر و شر اور نفع و نقصان اور حرام و حلال کی تمیز اس حد تک اٹھ جاتی ہے کہ وہ سانڈ بن جاتا ہے اور خواہشات کی تکمیل میں کوئی چیز رکاوٹ نہیں رہ جاتی اور ہر ممنوع و غیر ممنوع چراگاہ میں منہ مارنے لگتا ہے اور اس کے نفس کو اب ہر وہ چیز گراں معلوم ہونے لگتی ہے جو اس کی راہ میں مزاحم ہو اور وہ انسان آخرت کے احتساب اور جزا و سزا کا تصور بھی کھو دیتا ہے۔ پھر ایسا انسان کبھی کبھی تو زندگی بھر کے لیے عبادت اور میلان عبادت سے محروم ہو جاتا ہے اور اسے ایک لمحے کے لیے بھی فراغ قلب اور بیداری نصیب نہیں ہوتی اور اگر کسی لمحے سوچتا بھی ہے تو اس سوچ کی لو اتنی مدھم ہوتی ہے کہ غفلت کا معمولی جھونکا بھی اسے بجھا دیتا ہے یا پھر نصیبہ یاوری کرتا ہے اور یہ انسان عبادت کرنے پر آمادہ بھی ہو جاتا ہے تو عبادت میں اس کا دل نہیں لگتا۔ عبادت اس کے لیے بوجھ معلوم ہوتی ہے اور انتہائی بے دلی اور بے کیفی کے ساتھ جیسے جیسے عبادت سے الگ ہو جاتا ہے گویا وہ قفس میں اور اب آزاد ہو گیا اس کو اس عبادت میں کوئی روحانی اور قدرتی لذت نہیں ملتی وجہ کیا ہے؟ بس یہ کہ ”إِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ إِلَّا عَلَى الْخَاشِعِينَ“ وہ عبادت بوجھ ہے سوائے ڈرنے والوں کے یعنی غلبہ خواہشات کے سبب جزا و سزا کا احساس اور احتساب مولیٰ کا خوف دل سے جاتا رہا۔ تو اب ضروری ہوا کہ خواہشات کو دبایا اور مغلوب کیا جائے اور عقل و شریعت سے مدد لی جائے معقل نے کہا: جب تمہارا خالق مولی تعالیٰ ہے تو تنہا وہی لائق طاعت و عبادت بھی ہے اور اس نے طاعت و عبادت کے طریقے سکھانے کے لیے شریعت بنائی ہے۔ چنانچہ شریعت سے رجوع کیا گیا تو شریعت نے کہا: اے بندہ خواہشات! روزہ خواہشات سے بچنے کے لیے ڈھال ہے اس لیے روزہ رکھا کرو۔ امام غزالی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: روزہ کا مقصد یہ ہے کہ انسان امکانی حد تک فرشتوں کی تقلید کرتے ہوئے خواہشات سے دست کش ہو جائے۔ اس لیے کہ فرشتے بھی خواہشات سے پاک ہیں اور انسان کا مرتبہ بھی جانوروں سے بلند ہے۔ نیز خواہشات کے مقابلہ کے لیے اس کو عقل و تمیز کی روشنی عطا کی گئی ہے البتہ وہ فرشتوں سے اس لحاظ سے کم تر ہے کہ خواہشات اکثر اس پر غلبہ پا لیتی ہیں اور اس کو ان سے آزاد ہونے کے لیے سخت مجاہدہ کرنا پڑتا ہے۔ چنانچہ جب وہ اپنی خواہشات کی رو میں بہنے لگتا ہے تو اسفل السافلین تک جا پہنچتا ہے اور جانوروں کے ریوڑ سے جا ملتا ہے اور جب اپنی خواہشات پر غالب آتا ہے تو اعلیٰ علیین اور فرشتوں کے آفاق تک پہنچ جاتا ہے (احیاء العلوم)

حاصل یہ کہ خواہشات کو دبانے، جسمانیت کو مغلوب کرنے اور معدہ پرستی کو ختم کرنے کے لیے قدرت کی طرف سے سال میں رمضان المبارک بھر انسان کو روزہ کا مکلف کیا گیا تا کہ انسان کا ایمان جاگتا رہے اور اس کی روحانیت، جسمانیت، مادیت کی کثافت سے پاک ہو کر اتنی غالب اور طاقت ور ہو جائے کہ اسے ملا اعلیٰ سے نسبت حاصل ہو جائے۔

■■■

شعاعیں

ماہِ صیام رب تعالیٰ کا حسین انعام

محمد مدثر حسین اشرفی

خدائے وحدہ لاشریک کے ننانوے اسما میں ایک اسم ”رزاق“ اور ایک اسم ”حکیم“ ہے جس کا معنٰی ہے ”روزی دینے والا“ ”حکمت والا“ وہی سارے جہان کا خالق ہے، وہی اپنے بندوں کو اور کائنات کی ہر شے کو اپنے فضل وکرم سے رزق عطا فرماتا ہے، اس کے ہر کام میں حکمت ہے، وہ بندوں پر از حد مہربان ہے، اس نے اپنے بندوں کو سال کے گیارہ مہینے اختیار دیا ہے کہ وہ جب چاہیں حلال رزق سے لطف اندوز ہوں، مگر محض ایک ماہ از ختم سحری تا وقت افطار کھانے پینے سے باز رہنے کا حکم ارشاد فرمایا ہے، جس میں روزہ داروں کے لیے بے شمار دینی اور دنیوی فوائد ہیں۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝۱۸۳

(پ2 سورہ البقرہ آیت نمبر 183)

ترجمہ: اے ایمان والو تم پر روزے فرض کیے گئے جیسے اگلوں پر فرض ہوئے تھے کہ کہیں تمھیں پرہیز گاری ملے۔

اس آیت میں روزوں کی فرضیت کا بیان ہے، روزہ شرع میں اس کا نام ہے کہ مسلمان خواہ مرد ہو یا حیض ونفاس سے خالی عورت صبحِ صادق سے غروبِ آفتاب تک بہ نیّتِ عبادت خورد ونوش ومجامعت (کھانا پینا اور جماع) ترک کرے۔ اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ روزے عبادت قدیمہ ہیں زمانۂ آدم علیہ السلام سے تمام شریعتوں پر فرض ہوتے چلے آئے اگرچہ ایام واحکام مختلف تھے مگر اصل روزے سب امتوں پر لازم ہیں“۔ (خزائن العرفان)

روزہ کی بے شمار حکمتیں ہیں یہاں چند حکمتیں تحریر کی جاتی ہیں: ”روح عالم اجسام میں آنے سے پہلے کھانے پینے وغیرہ سے پاک وصاف تھی اسی لیے گناہوں سے بھی محفوظ رہی، اجزائے جسم کا بھی یہی حال تھا مگر جب یہ دونوں ملے تو جسم وروح کی وجہ سے اور روح جسم کی وجہ سے غذاؤں کے حاجت مند ہوئے اور گناہوں میں مبتلا، ضرورت تھی کہ ابھی کچھ روز ان کو مرغوب غذاؤں سے باز رکھا جائے تاکہ انھیں اپنی پہلی حالت یاد رہے اور پہلے کی طرح اب بھی گناہوں سے بچتے رہیں۔ نفس اور روح دو دشمن ہیں جن کا مقام جسم انسانی ہے ان میں ایک کی قوت دوسرے کے ضعف کا سبب ہے، نفس جسمانی غذاؤں اور لذتوں سے قوی ہوتا ہے اور روح نیک اعمال سے، ضرورت تھی کہ کچھ روز بھوکا رکھا جائے تاکہ نفس کمزور ہو۔ روزہ میں بھوک اور پیاس کی تکلیف کا پتا چلتا ہے جس سے غذا اور پانی کی قدر ہوتی ہے اور انسان خدا کا شکر کرتا ہے۔ روزہ سے بھوکوں پیاسوں پر مہربانی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے کیوں کہ غنی اپنی بھوک یاد کرکے فقیر کی بھوک کا پتا لگاتا ہے۔ یہاں روح البیان میں ہے کہ انسانوں کے طہمورث کے زمانہ میں سخت قحط سالی ہوئی تو مال داروں کو روزہ کا حکم دیا گیا اور ان سے کہا گیا کہ تم دوپہر کا کھانا فقیروں کو دو تاکہ شام کو تم اور وہ دونوں کھاؤ۔ روزہ سے بھوک کے برداشت کرنے کی عادت رہتی ہے کہ اگر کبھی کھانا میسر نہ ہو تو انسان گھبراتا نہیں، بھوک بہت سی بیماریوں کا علاج ہے، اب بھی ڈاکٹر وطبیب کہتے ہیں کہ فاقہ بہت سی بیماریوں کا علاج ہے کیوں کہ اس سے معدہ کی اصلاح ہے، نفس دن میں تو کھانے پینے کی اور

hussainmudassir333@gmail.com

شب کو سونے کی رغبت کرتا ہے شریعت نے اس کی مخالفت یوں کرائی کہ کبھی دن میں تو روزوں کا اور رات میں نمازوں کا حکم دیا گیا کہ ماہ رمضان میں دن کو کھانے سے باز رہنے اور رات کو تراویح اور تہجد پڑھو، خیال رہے کہ نماز سجدہ وغیرہ فرشتے اور دیگر مخلوقات بھی ادا کرتے ہیں مگر روزہ صرف انسان ہی کی عبادت ہے۔ فرشتے اور دوسری مخلوق غالبًا جنات پر بھی روزے فرض نہیں، یہ انسانی خصوصیات سے ہے اسی لیے علیکم میں انسانوں سے خطاب ہوا جیسے رب فرماتا ہے: وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيلًا (آل عمران) "حج صرف انسانوں پر فرض ہے" (تفسیر نعیمی جلد دوم)

کسی کے ذہن و فکر میں یہ سوال گردش کر سکتا ہے، کہ روزہ ایک مہینہ ہی کیوں فرض کیا گیا؟ اس سے کم و بیش کیوں نہیں؟ حکیم الامت، مفسر قرآن کریم حضرت علامہ مفتی احمد یار خان نعیمی قدس سرہ نے کیا خوب عمدہ جواب عطا کیا ہے، رقم طراز ہیں:

"زمانہ کی تین مشہور مدتیں ہیں: ہفتہ، مہینہ، سال۔ ہفتہ چھوٹی مدت ہے اور سال بڑی اور مہینہ درمیانی، چوں کہ مسلمان امت وسط ہیں اس لیے ان کا ہر کام درمیانی ہے، لہٰذا یہی مقرر ہوا، نیز نیکی کا ثواب دس گنا ہوتا ہے لہٰذا ماہ رمضان شریف کے روزوں کا ثواب دس ماہ کے برابر اور پھر شوال کے چھ روزوں کا ثواب ساٹھ دن یعنی دو ماہ کے برابر ہو کر سال کا ثواب ملے گا اور گویا یہ دائمی روزہ دار ہو گا۔" (تفسیر نعیمی جلد دوم)

احادیث کریمہ کی روشنی میں روزہ کے فضائل:

(1) روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے، فرماتے ہیں: فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے جب رمضان شریف آتا ہے، (رمضان رمض سے بنا بمعنی گرمی یا گرم، چونکہ بھٹی گندے لوہے کو صاف کرتی ہے اور صاف لوہے کو پرزہ بنا کر قیمتی کر دیتی ہے اور سونے کو محبوب کے پہننے کے لائق بنا دیتی ہے، اسی طرح روزہ گنہگاروں کے گناہ معاف کراتا ہے، نیک کار کے درجے بڑھاتا ہے اور ابرار کا قرب الٰہی زیادہ کرتا ہے، اس لیے اسے رمضان کہتے ہیں۔ نیز یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت، محبت، ضمان، امان اور نور لے کر آتا ہے، اس لیے رمضان کہلاتا ہے) تو آسمان کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور ایک روایت میں ہے کہ جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں، (حق یہ ہے کہ ماہ رمضان میں آسمانوں کے دروازے بھی کھلتے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ کی خاص رحمتیں زمین پر اترتی ہیں اور جنتوں کے دروازے بھی جس کی وجہ سے جنت والے حور و غلمان کو خبر ہو جاتی ہے کہ دنیا میں رمضان آ گیا اور وہ روزہ داروں کے لیے دعاؤں میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ اور دوزخ کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں، شیاطین زنجیروں میں جکڑ دیے جاتے ہیں۔" (مرآۃ المناجیح جلد سوم)

(2) روایت ہے حضرت سہل ابن سعد سے، فرماتے ہیں: فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے کہ جنت میں آٹھ دروازے ہیں، (یا اس طرح کہ جنت میں آٹھ طبقے ہیں ہر طبقے کا ایک دروازہ یا اس طرح کہ جنت کی پہلی دیوار ہی میں آٹھ دروازے ہیں تاکہ ہر قسم کے لوگ اپنے اپنے الگ دروازے سے داخل ہوں) جن میں سے ایک باب الریان ہے جس میں صرف روزہ دار داخل ہوں گے، (ریان بر وزن فعلان رَیّ سے بنا بمعنیٰ تر و تازگی سیرابی و سبزی، چوں کہ روزہ دار روزوں میں بھوکے پیاسے رہتے تھے اور بمقابلہ بھوک کے پیاس کی تکلیف اٹھاتے تھے۔ اس لیے ان کے داخلے کے لیے وہ دروازہ منتخب ہوا جہاں پانی کی نہریں بے حساب سبزہ اور سیرابی ہے، اس کا حسن نہ ہمارے وہم و گمان میں آسکتا ہے نہ بیان میں، ان شاء اللہ تعالیٰ دیکھ کر ہی پتا لگے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ روزہ چور اور روزہ توڑ مسلمان اگرچہ رحمت خداوندی اور شفاعت مصطفوی کی برکت سے بخش بھی دیے جائیں گے اور جنت میں داخل بھی ہو جائیں گے مگر اس دروازے سے نہیں جاسکتے کہ یہ دروازہ تو روزہ داروں کے لیے مخصوص ہے)"۔ (مرآۃ المناجیح)

(3) روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے، فرماتے ہیں: فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے کہ انسان کی ساری نیکیاں دس گنے سے سات سو گنے تک بڑھائی جائیں گی، (یعنی قانوناً ایک نیکی کا ثواب کم سے کم دس گنا اور زیادہ سے زیادہ سات سو گنا ہے، اگر اللہ تعالیٰ اور زیادہ دے تو اس کا کرم ہے، اس حدیث شریف سے دو آیتوں کی طرف اشارہ ہے: ایک تو مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا - جو ایک نیکی لائے تو اس کے لیے اس جیسی دس ہیں (کنزالایمان) اور دوسری كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِیْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ. اس دانہ کی طرح جس نے اگائیں سات بالیں ہر بالی میں سو دانے (کنزالایمان) رب تعالیٰ فرماتا ہے سوائے روزہ کے کہ روزہ تو میرا ہے، (اگر چہ ساری عبادتیں اللہ تعالیٰ کی ہیں مگر خصوصیت سے روزہ کو فرمایا کہ یہ میرا ہے۔ چند وجھوں سے ایک یہ کہ دیگر عبادات میں اطاعت غالب ہے اور روزہ میں عشق غالب اور روزہ دار میں علامات عشق جمع ہوجاتی ہیں اور مطیع کا عوض ثواب ہے عاشق کا عوض لقائے یار، دوسرے یہ کہ دوسری عبادتوں میں ریا ہوسکتی ہے کیوں کہ ان کی کوئی نہ کوئی صورت ہوتی ہے اور ان میں کچھ کرنا ہوتا ہے، مگر روزہ میں ریا نہیں ہوسکتی کہ نہ اس کی کوئی صورت ہے اور نہ اس میں کچھ کرنا ہے، جو اندر یا باہر کچھ نہ کھائے پیے وہ یقیناً مخلص ہی ہے۔ ریاکار گھر میں کھاکر بھی روزہ ظاہر کر سکتا ہے۔ تیسرے یہ کہ کل قیامت میں دوسری عبادتیں اہل حقوق چھین سکتے ہیں، حتیٰ کہ قرض خواہ مقروض سے سات سو نمازیں تین پیسہ قرض کی عوض لے لے گا۔ (شامی) مگر روزہ کسی حق والے کو نہ دیا جائے گا، رب تعالیٰ فرمائے گا کہ روزہ تو میرا ہے یہ کسی کو نہیں ملے گا اور میں ہی اس کا ثواب دوں گا۔

روزہ دار کو دو خوشیاں ہیں ایک خوشی افطار کے وقت اور دوسری خوشی اپنے رب سے ملتے وقت، (سبحان اللہ کیسا پیارا فرمان ہے، روزہ دار کو افطار کے وقت روحانی خوشی بھی ہوتی ہے کہ عبادت ادا ہوئی۔ رب تعالیٰ راضی ہوا، سینہ میں نور روح میں سرور ہوا اور جسمانی فرحت بھی کہ سخت پیاس کے بعد ٹھنڈا پانی بہت ہی فرحت کا باعث ہے اور تیز بھوک میں رب تعالیٰ کی روزی بہت لذیذ معلوم ہوتی ہے اور ان شاء اللہ مرتے وقت بھی بروز قیامت بھی رب تعالیٰ کی مہربانی دیکھ کر روزہ دار کو جو خوشی ہوگی وہ تو بیان سے باہر ہے۔ وہ کریم فرمائے گا کہ دنیا میں جو میں نے کہا وہ تو نے کیا اب جو تو کہے گا وہ میں کروں گا۔ روزہ دار کے منہ کی بو اللہ کے ہاں مشک کی خوشبو سے بہتر ہے اور روزے ڈھال ہیں، (کہ دنیا میں نفس وشیطان کے شر سے بچاتے ہیں اور آخرت میں دوزخ کی آگ سے بچائیں گے) اور جب تم میں سے کسی کے روزے کا دن ہو وہ نہ بری بات کہے نہ شور مچائے۔ اگر کوئی اس سے گالی گلوچ یا جنگ کرے تو کہہ دے کہ میں روزہ دار ہوں، (لہٰذا میں تجھ سے لڑنے کو تیار نہیں اس پر ان شاء اللہ وہ خود ہی شرمندہ ہوجائے گا، یا یہ مطلب ہے کہ میں روزہ دار ہوں اللہ کی ضمان میں ہوں مجھ سے لڑنا گویا رب کا مقابلہ کرنا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ ضرورت کے وقت اپنی چھپی عبادت کا اظہار جائز ہے بشرطے کہ فخر وریا کے لیے نہ ہو۔) (مرآۃ المناجیح جلد سوم)

خوش نصیب مسلمان ماہِ رمضان المبارک کی حرمت اور تقدس کا مکمل لحاظ کرتے ہوئے، روزہ، نماز، اور تلاوت قرآن کریم کی پابندی کرتے ہوئے بیشتر اوقات عبادات میں بسر کرتے ہیں، غریبوں، فقیروں، یتیموں، مسکینوں اور ضرورت مندوں کی خدمت کرکے رضائے الٰہی حاصل کرتے ہیں مگر تف ہے ان مسلمانوں پر جو صحت مند اور تندرست ہونے کے باوجود روزہ جیسی عظیم نعمتِ الٰہی سے اب تک محروم ہیں، پتا نہیں ایسے لوگوں کا ضمیر کیسے گوارا کرتا ہے، ایسے لوگوں کو اپنے قلوب میں خشیتِ الٰہی پیدا کرنی چاہیے - اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو ماہ رمضان المبارک کے فیضان سے مالامال فرمائے، آمین، بجاہ اشرف المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔ ■■■

انوار حیات

شیخ العارفین، علامہ مخلص الرحمٰن جہانگیری

از: محمد زکی

شیخ الاسلام والمسلمین، علامہ مخلص الرحمٰن جہانگیری رحمۃ اللہ علیہ کی ذات نہ صرف بنگال بلکہ پورے ہندوستان میں امام اہل سنت کی حیثیت رکھتی ہیں۔ آپ نے اُس دور میں جب کہ چار سو نئے نئے فتنہ جنم لے رہے تھے اسلام کی حقانیت کی خاطر تصنیفی کارنامے انجام دیے جس نے فتنۂ وہابیہ اور بد عقیدگی کی کمر توڑدی اور میدان مناظرہ میں وہ جوہر دکھائے کہ بڑے بڑے وہابی مولوی آپ کی نورانی صورت دیکھ کرہی میدان مناظرہ چھوڑ کر بھاگ گئے اور آپ نے اہل سنت وجماعت کی حقانیت کے لیے ایسے دلائل بیان فرمائے جس سے اہل سنت وجماعت کی حقانیت باطل فرقوں پر خوب واضح ہوگئی۔

ولادت: حضرت شیخ العارفین مخلص الرحمٰن جہانگیری رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت 1229ھ دوشنبہ کے دن ہوئی۔ آپ کا مولد ومسکن موضع مرزاکھیل، ضلع چاٹگام ہے۔ آپ کے والد کا نام سید غلام علی تھا جب ولادت ہوئی تو سید غلام علی لوگوں سے یہ فرمایا کرتے تھے کہ یہ میرا نور العین گلِ ریحاں ہے اس کو ترو تازہ اور شاداب رکھ سکوگے تو اس سے خوشبوئے روح فزا پاؤ گے۔

تعلیم: آپ کی عمر ابھی ڈھائی سال کی تھی تبھی آپ کے والد بزرگوار کا وصال ہوگیا، والدہ ماجدہ نے آپ کی پرورش اور تعلیم وتربیت فرمائی۔ آپ کے اساتذہ میں مولانا عبد الجبار اور مولانا عبد الخالق (جن کے آبا واجداد سمر قندی سے آئے تھے) اور مولوی عین الدین ہیں جن سے آپ نے قرآن مجید اور اردو، فارسی اور عربی کتب متداولہ پڑھیں۔ اس کے بعد بقیہ علوم کی تکمیل کے لیے کلکتہ کا سفر فرمایا۔ کلکتہ پہنچ کر اس دور کے سب سے نامور مدرسہ میں آپ نے داخلہ لیا۔ 1259ھ میں اول نمبر کے ساتھ گولڈ میڈل اور اسکالرشپ حاصل فرمائی اور "ممتاز المحدثین" کی ڈگری حاصل فرما کر ایک زبردست عالم دین ہوئے۔

بیعت وخلافت: علوم دینیہ کی تکمیل کے بعد آپ کے دل میں ذوق وشوق محبت الٰہی نے غلبہ کیا اور آپ نے خیال کیا کہ اصلی علم معرفت خدا اور عرفان ذات باری ہے، اور علم شیخ کامل کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا۔ اس لیے آپ کو شیخ کامل کی تلاش ہوئی۔ مقصود کی تلاش وجستجو میں کلکتہ سے لکھنؤ مولانا برہان الحق فرنگی محلی کی خدمت میں پہنچے۔ حضرت مولانا ایک کامل درویش تھے، انھوں نے آپ سے ارشاد فرمایا کہ حضرت مولانا سید امداد علی بھاگلپوری اس زمانہ میں شیخ کامل واکمل ہیں، ان کا قلب نورانی ہے، آپ کا مقصود ان شاء اللہ ان کی صحبت وخدمت سے حاصل ہوگا، آپ کا حصہ وہاں ہے، آپ وہاں جائیں، میں حزب البحر کے پڑھنے اور پڑھانے کی اجازت دے کر رخصت کرتا ہوں۔ پس آپ نے لکھنؤ سے بھاگلپور کا قصد کیا۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ حضرت سیدنا اس وقت بعہدۂ صدر اعلیٰ بکسر میں مامور ہیں۔ اس لیے آپ بکسر تشریف لے گئے بیعت سے مشرف ہوئے اور حضرت شیخ کی خدمت وحضوری میں چھ مہینے رہے، اسی دوران پیرومرشد کے حکم پر آپ اپنے دادا پیر شاہ محمد مہدی قادری فاروقی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں چھپرہ حاضر ہوئے۔ چند روز بعد پھر اپنے پیرومرشد قبلہ شاہ امداد علی رحمت اللہ علیہ کی خدمت میں بھاگلپور حاضر ہوگئے اس ششماہی عرصہ میں آپ کی تعلیم باطنی درجۂ کمال کو پہنچی اور حضرت شیخ شیوخ العالم نے بہ اشارت غیبی آپ کو خلافت اور اجازت دی۔ اور لقب جہانگیر شاہ سے ملقب فرماکر رخصت فرمایا۔ اور آپ دولت سرمدی سے مالامال تشریف فرمائے وطن ہوئے۔

jakiali411@gmail.com

اعزہ واقارب کو مسرت وشادمانی بے اندازہ حاصل ہوئی۔

تلامذہ: آپ نے وطن میں علوم ظاہری کے درس کا سلسلہ جاری فرمایا۔ آپ کے تلامذہ میں علامہ وجیہہ الدین، مولانا عبدالحق کابل (افغانستان)، منشی اکبرعلی مرادآباد، منشی لطف اللہ پٹیا، علامہ ابوالخیر اور مولانا حافظ عبدالقادر کے اسماسرفہرست ہیں۔

مرید وخلیفہ: آپ کے حلقہ غلامی میں ہزارہابندگان خدا داخل ہوئے۔ ان میں سے دو بزرگوں کو آپ کی بارگاہ سے خلافت عطا ہوئی۔ ایک بزرگ حافظ عبدالقادر نواکھالی ہیں، دوسرے بزرگ شاہ عبدالحق کابل (افغانستان) کے رہنے والے۔

میدان مناظرہ:

(1) پنڈتوں سے مناظرہ: جنوری 1880ء میں بمقام موضع ساتکینہ ضلع چاٹگام منشی راحت علی چودہری پنشن یافتہ سب انسپکٹر پولیس ساکن کفایت نگر تھانہ فٹکچری ضلع چاٹگام اور بابو ہرکمار رائے منصف سے حقانیت اسلام نیز اس مسئلہ میں گفتگو ہوئی کہ مردہ کو جلانا بہتر ہے یا دفن کرنا۔ آخر یہ طے ہوا کہ منشی صاحب اپنے علما کو، منصف صاحب اپنے پنڈتوں کو اس کی تحقیق کے لیے جمع کریں۔ چنانچہ تاریخ مقررہ پر ایک بڑا مجمع ہوا۔ جس میں سیدنا شیخ العارفین مخلص الرحمٰن رحمہ اللہ تشریف فرما ہوئے۔ اور بعض علما بھی شریک ہوئے۔ جیسے مولوی عبدالعلی محدث ساتکینہ اور مولوی ولی محمد محدث ساتکینہ۔ اور اس طرف سے سترہ پنڈت مناظرہ کے لیے بلائے گئے۔ ادھر سے شیخ العارفین مناظر قرار پائے کیوں کہ وہ صاحب علم وفضل ہونے کے ساتھ ساتھ ہندوؤں کی مذہبی کتابوں کے اچھے جانکار بھی تھے۔ نہایت شیریں زبان اور حاضر جواب بھی تھے، آپ کا کلام کبھی سخت اور درشت نہ ہوتا تھا۔ قبل اس کے کہ مناظرہ شروع ہو۔ آپ نے پنڈتوں سے اس انداز اور ایسے عام فہم طریقہ سے گفتگو فرمائی کہ باتوں ہی باتوں میں ان کو الزام دے دیا اور وہ ساکت اور حیرت زدہ رہ گئے۔ آپ نے پنڈتوں سے دریافت فرمایا کہ آپ لوگ گھر کے کوڑے کرکٹ کو کیا کرتے ہیں۔ انھوں نے جواب دیا گھر سے باہر کرکے جلادیتے ہیں۔ اور آپ لوگ اپنے زر و جواہر کو کیا کرتے ہیں؟ پنڈتوں نے کہا کہ حفاظت سے گھروں میں رکھتے ہیں۔ فرمایا بس یہ ہی تو ایک رمز ہے جو آپ ہی کی زبان سے ظاہر ہو گیا کہ آپ اپنے مردو کو کوڑے کرکٹ کی طرح جلا دیتے ہیں اور ہم اپنے مردوں کو زر و جواہر کی طرح دفن کرتے ہیں۔ یہ سن کر وہ سناٹے میں آگئے اور ہیبت زدہ ہو گئے۔ پھر آپ نے ارشاد فرمایا کہ اگر ہم تمھارے ویدوں سے یہ ثابت کر دیں کہ دین اسلام سب ادیان سے بہتر ہے تب تو تم تسلیم کرو گے؟ اس کے بعد آپ نے زبان کرامت بیان سے ایک تقریر شروع فرمائی۔ جس نے اسلام کا سب ادیان سے بہتر اور افضل ہونا آفتاب کی طرح روشن کر دیا اور ویدوں سے وہ وہ دلائل حقّانیت اسلام کے بیان فرمائے کہ سب پنڈت اور خود پنڈت ہرکمار رائے سن کر دنگ رہ گئے۔ منصف صاحب نے پنڈتوں سے اصرار کیا کہ آپ کی تقریر کا جواب دیں۔ لیکن کوئی جواب وہ لوگ نہ دے سکے اور آپ کا صحیح ہونا نصف النہار کے آفتاب کی طرح ظاہر ہو گیا اور مجلس مناظرہ اس پر ختم ہو گئی منصف صاحب حضرت شیخ العارفین کے اس وقت سے گرویدہ ہو گئے اور اکثر خدمت مبارک میں حاضر ہوا کرتے۔

(2) کرامت علی جونپوری سے مناظرہ: ایک بار مولوی کرامت علی جون پوری چاٹگام میں آئے، انھوں نے ایصال ثواب اور بزرگان دین کی نیاز وفاتحہ کے مسائل میں خلاف شریعت اور خلاف اقوال اعمال سلف صالحین تقریر بازی شروع کی، شہر میں ان باتوں کا چرچا پھیلا، اور مسلمانوں میں تفرقہ اور اختلاف، اور جھگڑا برپا ہونے لگا۔ مولوی ابوالحسن اس شہر میں ایک مشہور عالم تھے، انھوں نے اس حالت کو دیکھ کر حضرت شیخ العارفین کی خدمت میں درخواست بھیجی کہ شہر میں تشریف لائیں تاکہ ان مسائل کی بالمواجہ فریقین، کماحقّہ، تحقیق ہو کر، جواز وعدم جواز میں، جو امر حق ہو، اس کا اظہار واعلان عوام میں ہو جائے۔ آپ نے اس درخواست کو منظور فرمالیا، اور دولت سرا سے شہر تشریف لے گئے اور قدم مبارک کی مسجد میں قیام فرمایا، جہاں سے مولوی ابو الحسن باصرار آپ کو اپنے مکان پر لے گئے اور مولوی کرامت علی

کے بیان، اور ان کے دلائل کا تذکرہ خدمت مبارک میں کرنے کے بعد عرض کی، کہ اب اس کے جواب میں جو دلائل ہیں فرمائے جائیں۔ آپ نے فرمایا کہ مولوی کرامت علی کو سامنے آجانے دیجیے بالمشافہ سب کچھ بیان کر دیا جائے گا۔ اس خبر کی، تمام شہر میں شہرت ہوگئی کہ حضرت اس غرض سے شہر میں تشریف لائے ہیں ،اور لال ڈگی کے سامنے جو بڑا میدان ہے، اس میدان میں مجلس مناظرہ قرار پائی۔ یہاں مقررہ وقت پر خلقت کا ایک ازدحام ہو گیا، انگریز حکام نے انتظامیہ پولیس تعینات کر دی، اور خود کلکٹر اور دوسرے عہدے دار امن وانتظام کی خاطر جلسہ گاہ میں پہنچ گئے۔ مولوی کرامت علی نے یہ کیا کہ گاڑی بھر کر کتابیں پہلے سے جلسہ گاہ میں پہنچا دیں، اور کتابوں کا ڈھیر لگا دیا گیا۔ جسے دیکھ کر کلکٹر نے ہمارے حضرت سے پوچھا کہ آپ کی کتابیں کہاں ہیں؟ آپ نے فرمایا: ”مولوی کرامت علی کا علم کتابوں کے اندر اور ہمارا علم ہمارے سینے کے اندر ہے“! یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ مولوی کرامت علی بھی گاڑی میں آئے۔ اور گاڑی جلسہ گاہ کے دروازے پر ٹھہری، مگر وہ گاڑی سے اترے نہیں، لوگوں سے پوچھا کہ جن سے مناظرہ ہونے والا ہے وہ کون ہیں اور کہاں ہیں؟ لوگوں نے اشارہ سے حضرت شیخ العارفین کو بتایا کہ آپ ہیں۔ مولوی کرامت علی نے آپ کو دیکھا اور دیکھتے رہے، اور گاڑی میں بیٹھے ہی بیٹھے کہا کہ گاڑی واپس کی جائے۔ ہیبت حق سے اس قدر مرعوب ہوئے کہ جلسہ گاہ میں قدم نہ رکھ سکے، اور فوراً ہی واپس چلے گئے۔ ہر شخص سمجھ گیا کہ مجلس مناظرہ میں اپنی صداقت ثابت نہیں کر سکتے یہی وجہ ہے کہ حضرت کے مقابلہ پر نہ آئے اور صورت مبارک دیکھتے ہی بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس کے بعد قدرتاً سب حاضرین کو شوق ہوا کہ آپ ہی ان مسائل میں ارشاد فرمائیں، چنانچہ آپ نے مذہب اہل سنت اور طریق سلف صالحین کی تائید میں کتاب سنت اور اکابرین امت اور سلف صالحین کے آثار و شواہد سے ایسی زبردست تقریر فرمائی کہ سب کچھ آئینے کی طرح صاف کر کے رکھ دیا اور موافقین ہی کا نہیں بلکہ مخالفین کا بھی اطمینان کلّی ہو گیا اور کثیر التعداد بندگان خدا گم راہی سے آپ کی بدولت محفوظ رہے۔

تصنیفات :(1)شرح الصدور في دفع الشرور (2)البداية شرح الهداية (3)النفحات القدسية على شرح الرسالة الشمسية (4)الفتح القريب بشرح شرح التهذيب (5) رحمة ربى شرح ديوان المتنبى (6) الجوهر النظم فى الحاشية على تتمة عبد الحكيم (7)وصول الغاية فى حل شرح الوقاية (8) مقاصد الولا ية فى شرح شواهد النبوة (9)اتحاف الأفاضل بشرح شرح ماة عامل(10) الجواهر المنضدة على كتاب الزبدة (11) نعم السمير شرح صرف مير (12)البدور المشرقة على الصواعق المحرقة (13) الدرجات الحيدرية شرح المقامات الحريرية(14) التحفة العريفية بتحشية الشريفية (15)تركيب الكفاية بحل مشكلات التراكيب الوافية (16)عطاء الحبيب النبى بشرح مير قطبى(17) اتمام النعمة بتحشية شرح هداية الحكمة

اسماعیل دہلوی کی کتاب تقویۃ الایمان کا رد :

شیخ العارفین نے اسماعیل دہلوی کی کتاب تقویۃ الایمان کے رد میں ایک عظیم الشان کتاب ”شرح الصدور فی دفع الشرور “تصنیف فرمائی جناب ابوالحسن زید فاروقی اپنی کتاب ”اسماعیل دہلوی اور تقویۃ الایمان“ کے مقدمہ میں فرماتے ہے۔ ایک کتاب مولانا شاہ مخلص الرحمن ملقب بہ جہانگیر شاہ نے ”شرح الصدور“ کے نام سے فارسی میں تیرہویں صدی کے آخر میں لکھی ہے، ان کے مخلصین نے اس کے ترجمہ کا خلاصہ اردو میں شائع کیا ہے۔ کاش اصل کتاب صحیح طور پر چھپ جاتی۔ اس کتاب میں تعصب نام کو نہیں ہے اور مزلات کی نشان دہی بہ وجہ احسن کی گئی ہے۔

وصال : آپ کا وصال 73 سال کی عمر شریف میں 1302 ھ ماہ ذیقعدہ روز دوشنبہ کو ہوا آپ کا مزار اقدس موضع مرزا کھیل شریف نواح چاٹگام (بنگلادیش) میں مرجع خاص وعام ہے۔ ■■■

ذکر جمیل

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

مفتی محمد اعظم مبارک پوری

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے غلام تھے جن کو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں دیا تھا، ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنے بیٹے کی طرح پالا تھا اور یہ واحد صحابی ہیں جن کا نام قرآن کریم میں آیا ہے۔

نام و نسب: زید نام ، ابو اسامہ کنیت، حب رسول اللہ (ﷺ) لقب، والد کا نام حارثہ اور والدہ کا نام سعدی بنت ثعلبہ تھا، پورا سلسہ نسب یہ ہے، زید بن حارثہ بن شراحیل یا شرحبیل بن کعب ابن عبدالعزیٰ بن امرؤالقیس بن عامر بن نعمان بن عامر بن عبدود بن عوف بن عذرہ بن زید۔

حالات قبل از اسلام: حضرت زید یمن کے قبیلے بنو قضاعہ کے سردار حارثہ بن شرحبیل کے لخت جگر تھے۔ آٹھ سال کی عمر میں ڈاکوؤں کے ہاتھ لگ گئے۔ یہ اپنی والدہ کے ساتھ نانیہال گئے، وہاں سفر میں ان کے پڑاؤ پر قیس بن جسر کے لوگوں نے حملہ کیا، پکڑے جانے والوں میں نوعمر زید بھی تھے، ان لوگوں نے طائف کے قریب عُکاظ کے قبیلے میں ان کو بیچ دیا، ادھر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بھتیجے حکیم بن حزام نے انہیں خرید لیا اور انہیں اپنی پھوپھی حضرت خدیجہ کے حوالے کر دیا۔ حضرت خدیجہ سے نکاح کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زید کو حضرت خدیجہ کے یہاں دیکھا اور ان کی عادات و صفات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند آئیں، تو آپ نے ان کو حضرت خدیجہ سے مانگ لیا اور حضرت خدیجہ نے بہ خوشی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا۔

دوسری طرف قافلے کے لوٹے جانے کی خبر سے زید کے گھر والوں پر قیامت ٹوٹ پڑی اور زید کے والدین کو یہ تک نہیں معلوم تھا کہ زید زندہ بھی ہیں یا نہیں۔ وہ بیٹے کی جدائی سے بہت پریشان تھے، انھوں نے مسلسل تلاش جاری رکھی۔ اسی درمیان ایک مرتبہ حج پر آئے ہوئے لوگوں نے زید کو پہچان لیا اور انھیں ان کے والد کی حالت زار سے آگاہ کیا۔ زید کے والد کو جب بیٹے کا سراغ ملا تو وہ مکہ پہنچے اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوئے کہ زید کو فدیہ لے کر آزاد کر دیں، ہم زندگی بھر آپ کے احسان مند رہیں گے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر زید تمھارے ساتھ جانا چاہتا ہے تو میں کسی قسم کا فدیہ لیے بغیر ہی اسے تمھارے ساتھ بھیجنے کے لیے تیار ہوں۔ حضرت زید کو بلا کر پوچھا گیا: کیا تم انہیں پہچانتے ہو؟ وہ بولے: کیوں نہیں! یہ میرے والد گرامی ہیں اور یہ میرے چچا ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اگر اپنے والد کے ساتھ جانا چاہو تو بہ خوشی جا سکتے ہو اور اگر میرے پاس رہنا چاہو تو بھی رہ سکتے ہو۔ یہ حضرت زید کا امتحان تھا، ایک طرف وہ باپ تھے جو مدت سے ان کی تلاش میں سرگرداں تھے، اور زید کے دل میں باپ کی محبت کا سمندر موجزن تھا؛ لیکن انہیں دوسری طرف نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی کا شرف عظیم بھی حاصل تھا۔ حضرت زید نے عرض کیا: خدا کی قسم! محمد مصطفی ﷺ کی غلامی مجھے تمھارے پاس رہنے سے زیادہ مرغوب ہے۔

والد اور چچا حیران ہو گئے اور کہنے لگے: زید! کیا تو آزادی پر غلامی کو ترجیح دیتا ہے، اور اپنے ماں باپ اور خاندان کو چھوڑ کر غیروں کے پاس رہنا چاہتا ہے؟ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے

استاذ الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور

جواب دیا کہ اس ہستی کے ساتھ رہ کر میری آنکھوں نے جو کچھ دیکھا ہے، اس کے بعد دنیا و مافیہا کو اس کے سامنے ہیچ سمجھتا ہوں۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ کا یہ جواب سن کر باپ اور چچا خاموش ہوگئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وقت حضرت زید رضی اللہ عنہ کو آزاد کر دیا اور حرم میں جاکر قریش کے مجمع عام میں اعلان کرا دیا کہ آپ سب لوگ گواہ رہیں، آج سے زید میرا بیٹا ہے۔ یہ مجھ سے وراثت پائے گا اور میں اس سے۔ حارثہ نے یہ سنا تو اور بھی خوش ہوئے۔ باپ اور چچا دونوں مطمئن ہو کر واپس چلے گئے۔

اب وہ کبھی کبھی مکہ آتے اور حضرت زید کو دیکھ کر آنکھیں ٹھنڈی کر لیتے۔ چونکہ حضرت زید کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آزاد کر کے بیٹا بنا لیا تھا، اس لئیے لوگ اب آپ کو زید بن محمد پکارنے لگے بعد میں قرآن مجید کے ذریعہ بتایا گیا کہ متبنی کی حیثیت حقیقی بیٹے کی نہیں ہے؛ بلکہ وہ دینی بھائی کے درجے میں ہے۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم حضرت زید رضی اللہ عنہ کو پہلے ”زید بن محمد“ کہا کرتے تھے لیکن جب سورۂ احزاب کی آیت نمبر 5 (اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآىِٕهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ) (انھیں ان کے باپ ہی کا کہہ کر پکارو یہ اللہ کے نزدیک زیادہ ٹھیک ہے) نازل ہوئی تو آپ کو ”زید بن حارثہ“ پکارنے لگے۔

سفر طائف اور حضرت زید: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ اسلام کے لیے حضرت زید بن حارثہ کے ساتھ طائف کا سفر کیا، ان دنوں طائف میں عمرو بن عمیر بن عوف کے تین لڑکے عبد یالیل، مسعود اور حبیب بنو ثقیف کے سردار تھے، آپ نے مذکورہ بالا تینوں سرداروں سے ملاقات کی اور انہیں اسلام کی دعوت دی اور اپنی مدد کی درخواست کی، آپ نے مسلسل دس دن وہاں قیام کرکے ان کو سمجھانے کی پوری کوشش کی، کفر و شرک چھوڑ کر ایمان کی طرف آنے کی دعوت دی، لیکن ان تینوں نے نہایت گستاخانہ جواب دیا۔ ان بدبختوں نے اسی پر اکتفا نہیں کیا، طائف کے بدمعاشوں اور اوباشوں کو آپ کے پیچھے لگا دیا کہ وہ آپ کا مذاق اُڑائیں، چنانچہ انہوں نے راستہ سے گزرتے وقت آپ پر پتھر مارنے شروع کر دیئے۔

حضرت زید بن حارثہ ان پتھروں کے لیے سپر بن جاتے، یہاں تک کہ ان کا سر پھٹ گیا، حضور کا جسم لہو لہان ہو گیا اور جوتیاں خون سے بھر گئیں، جب آپ زخموں سے چور ہو کر بیٹھ جاتے تو بازو تھام کر کھڑا کر دیتے اور پھر آپ جب چلنے لگتے تو پتھر برساتے، ساتھ ساتھ گالیاں دیتے اور تالیاں بجاتے، پتھروں کے برسانے سے آپ کو بہت چوٹیں آئیں اور آپ زخموں سے بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ حضرت زید آپ کو اپنی پیٹھ پر اُٹھا کر آبادی سے باہر عتبہ اور شیبہ کے باغ میں لے آئے۔

حضرت زید کا نکاح: حضور سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کا سورج طلوع ہونے سے پہلے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو خرید کر آزاد فرمایا اور انہیں اپنا منہ بولا بیٹا بنا لیا تھا۔ حضرت زینب بنتِ جحش رضی اللہ عنہا جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی امیمہ بنت عبد المطلب کی بیٹی تھیں، سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حضرت زید رضی اللہ عنہ سے نکاح کا پیغام دیا، شروع میں تو یہ اس گمان سے راضی ہو گئیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لیے پیغام دیا ہے لیکن جب معلوم ہوا کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ کے لیے رشتہ طلب فرمایا ہے تو انکار کر دیا اور عرض کر بھیجا کہ یارسول اللہ !صلی اللہ علیہ وسلم، میں حضور کی پھوپھی کی بیٹی ہوں اس لیے ایسے شخص کے ساتھ نکاح پسند نہیں کرتی۔ ان کے بھائی حضرت عبد اللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے بھی اسی بنا پر انکار کیا۔ اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اور اسے سن کر دونوں بہن بھائی راضی ہوگئے اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا حضرت زید رضی اللہ عنہ سے نکاح ہو گیا۔

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے اسلام کی عظیم دولت سے نواز کر ان پر انعام فرمایا اور حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں آزاد کر کے اور ان کی پرورش فرما کر ان

پرانعام اور احسان فرمایا۔ جب حضرت زید رضی اللہ عنہ کا نکاح حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے ہو چکا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آئی کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا آپ کی ازواجِ مطہرات میں داخل ہوں گی، اللہ تعالیٰ کو یہی منظور ہے۔ چنانچہ اس کی صورت یہ ہوئی کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے درمیان موافقت نہ ہوئی اور حضرت زید رضی اللہ عنہ نے سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی سخت انداز میں گفتگو، تیز زبانی، اطاعت نہ کرنے اور اپنے آپ کو بڑا سمجھنے کی شکایت کی۔ ایسا بار بار اتفاق ہوا اور ہر بار حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زید رضی اللہ عنہ کو سمجھا دیتے اور ان سے ارشاد فرماتے کہ اپنی بیوی کو اپنے پاس ہی رکھو اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا پر تکبر کرنے اور شوہر کو تکلیف دینے کے الزام لگانے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ تاجدارِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زید رضی اللہ عنہ پر یہ ظاہر نہیں فرماتے تھے کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے ساتھ تمھارا گزارہ نہیں ہو سکے گا اور طلاق ضرور واقع ہوگی اور اللہ تعالیٰ انھیں ازواجِ مطہرات میں داخل کرے گا اور اللہ تعالیٰ کو یہ بات ظاہر کرنا منظور تھی۔ جب حضرت زید رضی اللہ عنہ نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو طلاق دے دی تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو لوگوں کی طرف سے اعتراض کیے جانے کا اندیشہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا حکم تو حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکاح کرنے کا ہے اور ایسا کرنے سے لوگ طعنہ دیں گے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی عورت کے ساتھ نکاح کر لیا جو ان کے منہ بولے بیٹے کے نکاح میں رہی تھی، اس پر آپ کو لوگوں کے بے جا اعتراضات کی پرواہ نہ کرنے کا فرمایا گیا۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی عدت گزرنے کے بعد ان کے پاس حضرت زید رضی اللہ عنہا رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا پیام لے کر گئے اور انھوں نے سر جھکا کر کمالِ شرم و اَدب سے انہیں یہ پیام پہنچایا۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے کہا کہ میں اس معاملہ میں اپنی رائے کو کچھ بھی دخل نہیں دیتی، جو میرے ربّ عزوجل کو منظور ہو میں اس پر راضی ہوں۔ یہ کہہ کر وہ بارگاہِ الٰہی میں متوجہ ہوئیں اور انھوں نے نماز شروع کر دی اور یہ آیت نازل ہوئی۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو اس نکاح سے بہت خوشی اور فخر ہوا اور سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شادی کا ولیمہ بہت وسعت کے ساتھ کیا۔

غزوات میں شرکت: حضرت زید کو تیر اندازی میں ملکہ حاصل تھا معرکۂ بدر سے غزوۂ موتہ تک جتنے بھی اہم معرکے پیش آئے سب میں شجاعت واستقلال کے ساتھ شریکِ کارزار ہوئے، غزوۂ مریسیع میں چونکہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو مدینہ میں اپنی جانشینی کا اعزاز عطا فرمایا تھا اس لیے اس مہم میں حصہ نہ لے سکے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ موتہ کے لشکر کا امیر زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو بنایا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمادیا تھا کہ اگر زید شہید ہو جائیں تو جعفر امیر ہوں اور اگر جعفر بھی شہید ہو جائیں تو عبداللہ بن رواحہ امیر ہوں۔

سپہ سالارِ رسول حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے لڑائی شروع ہونے سے پہلے کفّار کو اسلام کی دعوت دی تو انہوں نے جارحانہ حملہ شروع کر دیا۔ یہ منظر دیکھ کر آپ رضی اللہ عنہ گھوڑے سے اتر کر میدانِ جنگ میں کود پڑے، ان کی دیکھا دیکھی مسلمانوں نے بھی نہایت جوش و خروش کے ساتھ لڑنا شروع کر دیا، کافروں نے آپ رضی اللہ عنہ پر نیزوں اور بَرچھیوں کی برسات کر دی یوں آپ رضی اللہ عنہ جواں مردی سے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔

نکاح: حضرت زید متعدّد شادیاں کیں، بیویوں کے نام یہ ہیں: حضرت زینب بنت جحش، ام ایمن، ام کلثوم بنت عقبہ، درہ بنت لہب، ہند بنت العوام،

اولاد: دو لڑکے اسامہ بن زید، زید بن زید اور ایک لڑکی رقیہ پیدا ہوئی۔ ■■■

انوارِ حیات

مستقبل میں دنیا کی مسلم آبادی

از: شمائلہ زماں ترجمہ و تلخیص: مہتاب پیامی

مذہب ہر ایک کی زندگی میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ دنیا بھر کے لوگ اپنے اپنے رسوم و روایات کے مطابق مختلف مذاہب کی پیروی کرتے ہیں۔ ہندوستان، اپنے بھرپور تنوع کے ساتھ، اس کی ایک بہترین مثال ہے، جہاں مختلف عقائد کے لوگ اپنی اپنی سماجی قومی، لسانی اور مذہبی انفرادیت کے ساتھ زندگی گزارتے ہیں۔ ہندوستان میں مذہب ناقابل یقین حد تک متنوع ہے، یہاں کے بڑے اور قابل ذکر مذاہب میں ہندو مت، اسلام، عیسائیت، بدھ مت، جین مت، زرتشتی اور سکھ مت شامل ہیں۔

کیا آپ نے کبھی سوچا ہے کہ 2050 تک ہندوستان میں کس مذہب کے پیروکار سب سے زیادہ ہوں گے؟ پیو ریسرچ سینٹر کی طرف سے شائع ہونے والی ایک رپورٹ کے مطابق، امید ہے کہ ہندوستان 2050 تک انڈونیشیا کو پیچھے چھوڑ کر سب سے زیادہ مسلم آبادی والا ملک بن جائے گا، مسلمانوں کی تعداد 311 ملین تک پہنچ جائے گی۔

دی فیوچر آف ورلڈ ریلیجنز: پاپولیشن گروتھ پروجیکشنز، 2010-2050 کے عنوان سے رپورٹ میں یہ بھی پیش گوئی کی گئی ہے کہ پاکستان 273 ملین کے ساتھ دوسری سب سے بڑی مسلم آبادی پر مشتمل ہوگا۔ انڈونیشیا، جس میں اس وقت سب سے زیادہ مسلم آبادی ہے، 2050 تک 257 ملین مسلمانوں کے ساتھ تیسرے نمبر پر آنے کا امکان ہے۔

مزید برآں، رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ ہندو دنیا کا تیسرا سب سے بڑا مذہبی گروہ بن جائے گا۔ اس کے علاوہ رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ 2050 تک ہندوستان میں 31 کروڑ مسلمان ہوں گے جو کہ عالمی مسلم آبادی کا 11 فیصد بنتے ہیں۔ رپورٹ میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ ہندوستان میں ہندوؤں کی سب سے زیادہ آبادی برقرار رہے گی، جو بڑھ کر 1.03 بلین ہو جائے گی۔ فی الحال، انڈونیشیا کو سب سے زیادہ مسلم آبادی کا اعزاز حاصل ہے۔

تحقیق میں کہا گیا ہے کہ دنیا بھر میں مسلمانوں کی تعداد آئندہ دہائیوں میں تیزی سے بڑھنے کا امکان ہے، جو 2010 میں تقریباً 1.6 بلین سے بڑھ کر 2050 میں تقریباً 2.8 بلین ہو جائے گی۔

ہندوستان میں 2050 میں دنیا کی سب سے زیادہ مسلم آبادی (311 ملین) ہونے کا امکان ہے، جب کہ پاکستان میں دوسرے نمبر پر سب سے زیادہ مسلمان (273 ملین) ہونے کی توقع ہے۔ انڈونیشیا- 2010 میں مسلمانوں کی سب سے زیادہ تعداد والا ملک ہے لیکن 2050 تک 257 ملین مسلمانوں کے ساتھ اس کے تیسرے نمبر پر آنے کی توقع ہے۔ وسط صدی میں تقریباً 231 ملین مسلمانوں کے ساتھ نائجیریا کے چوتھے نمبر پر آنے کی پیش گوئی کی گئی ہے۔

پیو ریسرچ سینٹر کی ایک تحقیق کے مطابق مسلمانوں کی آبادی میں اضافے کی بڑی وجہ اعلیٰ شرح پیدائش جیسے عوامل کو قرار دیا جا سکتا ہے۔ مسلمانوں کی اوسط عمر 22 سال ہے جب کہ ہندوؤں کی عمر 26 سال اور عیسائیوں کی 28 سال ہے۔ ہندوستان میں مسلمان خواتین کے اوسطاً 3.2 بچے ہیں، جب کہ ہندو خواتین کے 2.5 بچے ہیں، اور عیسائی خواتین کے اوسطاً 2.3 بچے ہیں۔ یہ عوامل مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی آبادی میں اہم

کردار ادا کرتے ہیں۔

بیان میں مزید کہا گیا ہے کہ ہندوستان میں مسلمانوں کی شرح پیدائش (3.2) مسلمانوں کی عالمی شرح (3.1) کے برابر ہے۔ جزوی طور پر چوں کہ انڈونیشیا جیسی بڑی آبادی والے ملک میں مسلمانوں کے بچے کم ہیں (2.0)، امید ہے کہ ہندوستان انڈونیشیا کو پیچھے چھوڑ کر 2050 تک دنیا کی سب سے بڑی مسلم آبادی والا ملک بن جائے گا۔

ہندوستان میں مسلم آبادی کی شرح، افزائش کی بلندی کی وجہ سے تیزی سے بڑھنے کی امید ہے۔ 2010 میں، مسلمان ہندوستان کی کل آبادی کا 14.4 فی صد تھے، اور 2050 تک، یہ تعداد بڑھ کر 18.4 فیصد ہونے کا امکان ہے۔ یہ بھی متوقع ہے کہ ہندوستان کی ہندو آبادی پاکستان، انڈونیشیا، نائجیریا اور بنگلہ دیش سمیت سب سے بڑے مسلم اکثریتی ممالک کی مسلم آبادیوں کو پیچھے چھوڑ دے گی۔ دریں اثنا، ہندوستان کی عیسائی آبادی، جو اس وقت کل آبادی کا 2.5 فیصد ہے، 2050 تک کم ہو کر 2.3 فیصد رہنے کی توقع ہے۔

توقع ہے کہ 2050 تک عراق اور افغانستان 10 سب سے بڑی مسلم آبادی والے ممالک کی فہرست میں شامل ہو جائیں گے۔ دنیا کے دس میں سے چھ سے زیادہ مسلمان (62٪) 2050 میں سب سے زیادہ مسلمانوں کے ساتھ 10 ممالک میں رہنے کا تخمینہ لگایا گیا ہے، جو دنیا کے مسلمانوں کے حصہ سے تھوڑا کم ہے جو کہ دنیا کے سب سے اوپر 10 ممالک میں رہتے تھے۔ 2010 (66٪)۔

ایک اور رپورٹ میں پیو ریسرچ سینٹر نے اس بات پر روشنی ڈالی کہ مسلمان دنیا بھر میں سب سے تیزی سے ترقی کرنے والا مذہبی گروہ ہیں۔ توقع ہے کہ مسلمانوں کی آبادی عالمی آبادی سے زیادہ تیزی سے بڑھے گی۔ جب کہ اسلام اس وقت عیسائیت کے بعد دوسرا سب سے بڑا مذہب ہے، یہ سب سے تیزی سے پھیلنے والا بڑا مذہب بھی ہے۔ اگر موجودہ آبادی کے رجحانات جاری رہے تو اس صدی کے آخر تک مسلمانوں کی آبادی عیسائی آبادی سے بڑھ جانے کا امکان ہے۔ 2010 میں، دنیا بھر میں 1.6 بلین مسلمان تھے، جو دنیا کی آبادی کا تقریباً 23 فیصد بنتے ہیں۔

اگلی چند دہائیوں میں عالمی آبادی میں 35 فیصد اضافے کا امکان ہے، جب کہ مسلمانوں کی آبادی میں 73 فیصد اضافہ متوقع ہے، جو 2050 تک 2.8 بلین تک پہنچ جائے گی۔ دنیا بھر میں مسلمانوں کی اکثریت ایشیا پیسیفک خطے میں رہتی ہے۔ انڈونیشیا، بھارت، پاکستان، بنگلہ دیش، ایران اور ترکی میں بڑی کمیونٹی سمیت عالمی مسلم آبادی کا تقریباً 72 فیصد ہے۔ جب کہ انڈونیشیا میں اس وقت مسلمانوں کی سب سے زیادہ آبادی ہے، توقع ہے کہ بھارت 2050 تک اس سے آگے نکل جائے گا، ایک اندازے کے مطابق 310 ملین مسلمانوں کے ساتھ، سرفہرست مقام حاصل کر لے گا۔

دنیا بھر میں ہندوؤں کی تعداد 2010 میں 1 بلین سے قدرے بڑھ کر 2050 میں تقریباً 1.4 بلین تک پہنچنے کا امکان ہے۔ اس کے نتیجے میں، ہندو اگلی چار دہائیوں میں دنیا کی آبادی کے ایک حصے کے طور پر کافی مستحکم رہیں گے، 2010 اور 2050 دونوں میں تقریباً 15 فیصد۔

2050 تک، ریاست ہائے متحدہ امریکہ 4.8 ملین ہندوؤں کے ساتھ دنیا کی پانچویں بڑی ہندو آبادی ہوگی۔ اس کے علاوہ، کینیڈا، 2050 میں 10 لاکھ ہندوؤں کے ساتھ، 10 سب سے بڑی ہندو آبادی والے ممالک کی فہرست میں شامل ہونے کی پیش گوئی کی گئی ہے۔

آگے آگے دیکھیے ہوتا ہے کیا؟

-٭-٭-٭-٭-

چراغ خانہ

نئے دور کی نئی ذمہ داریاں اور خواتین

صبیحہ جمال

تبدیلی ایک قدرتی عمل ہے جو ہر دور میں جاری رہا ہے اور مستقبل میں بھی جاری رہے گا۔ فرد ہو، سماج ہو، قوم ہو یا ملک ہو جو بھی خود کو اس تبدیلی کے ساتھ ہم آہنگ کرنے میں ناکام رہے گا وہ یا تو بہت پیچھے رہ جائے گا یا ماضی کے جنگلوں میں کہیں گم ہو جائے گا۔ دور بدلے، تبدیلیاں رونما ہوئیں اور ان تبدیلیوں کا اثر جہاں سماج کے ہر طبقے پر پڑا تو سماج کا اہم حصہ خواتین اس سے کیسے مستثنیٰ رہ سکتی تھیں۔ انہی تبدیلیوں کا نتیجہ ہے کہ گھروں میں کھانا پکانے اور سلائی کڑھائی میں مصروف رہنے والی خواتین آج آسمانوں میں جہاز اڑا رہی ہیں اور سمندر کی گہرائیوں کو کھنگال رہی ہیں۔ ترقی کے اس دور میں آج کہا جاتا ہے کہ خواتین کے پاس اب کافی وقت ہے اور خواتین کے فارغ اوقات کے بارے میں لوگوں کے درمیان دو رائیں پائی جاتی ہیں۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ پہلے زمانے میں خواتین پر زیادہ ذمہ داریاں تھیں اور وہ بہت مصروف رہتی تھیں۔ جب کہ آج کے دور میں خواتین پر اتنی ذمہ داریاں نہیں ہیں۔ اس کے برعکس کچھ لوگوں کا گمان ہے کہ آج کے دور میں خواتین پر زیادہ ذمہ داریاں ہیں۔ آیئے اس مضمون میں ہم انھیں دو آرا پر غور کرتے ہیں اور اس بات کی کوشش کرتے ہیں کہ اگر ہماری بہنیں اس دور میں ذمہ داریوں سے آزاد ہیں اور ان کے پاس فارغ اوقات ہیں تو ان کو کس طرح صحیح اور مثبت کام میں استعمال کیا جا سکتا ہے۔

اگر ہم اپنے بچپن پر نظر ڈالیں اور اس زمانے کی خواتین کی مصروفیات کا اندازہ کریں تو واقعی معلوم ہوتا ہے کہ ان کے زمانے میں خواتین کو یہ احساس ہی نہیں ہوتا تھا کہ کب دن نکلا اور کب ختم ہوا۔ صبح فجر کے بعد سے ان کا روٹین شروع ہو جاتا تھا۔ زیادہ تر گھروں میں جھاڑو پونچھا خواتین خود کرتی تھیں۔ ان کاموں کے لیے نوکرانیوں کا تصور ہی نہیں تھا۔ کھانا بنانے کے لیے سارے موٹے مصالحوں کو سل پر پیسا جاتا تھا۔ مکسر یا گرائنڈر کیا چیز ہوتی ہے جس میں صرف سوئچ دباتے ہی منٹوں میں مصالحہ پس جاتا ہے، اس کو کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ ہمیں یاد ہے کہ ہم سبھی کی والدہ محترمہ رمضان کی آمد سے قبل اپنی آسانی کے لیے مرچیں، دھنیا گھر میں لگی ہاتھ کی چکی پر پیس کر رکھ لیتی تھیں تاکہ رمضان میں آسانی رہے۔ اسی طرح چنے کی دال پیس کر بیسن بھی گھر میں تیار کیا جاتا تھا۔ رمضان سے پہلے گھر گھر میں سوئیاں توڑی جاتی تھیں۔ اس کا میدہ تیار کر کے مشین چلا کر سوئیاں توڑی جاتی تھیں۔ ان کو رسّی پر سکھایا جاتا۔ کئی دن تک یہی کام ہوتا تھا۔ آلو کے چپس بھی گھر میں ہی بنائے جاتے تھے۔ غرض کہ رمضان کی آمد سے بیس پچیس دن پہلے سے ہی یہ تیاریاں شروع ہو جاتی تھیں جب کہ آج کل یہ سب چیزیں ریڈی میڈ موجود ہیں۔

اکثر گھروں میں کپڑوں کی دھلائی بھی گھر پر ہی ہوتی تھی۔ کچھ بڑے کپڑے دھوبی کے یہاں دھلوا لیے جاتے تھے۔ گھر کا سارا کھانا چولہوں پر بنایا جاتا تھا۔ سخت گرمی میں بھی چولہے کی تپش جھیلنی ہوتی تھی اور ساتھ ہی دھواں بھی خوب رلاتا تھا۔ غرض یہ کہ اپنے خاندان کی بزرگ عورتوں کی زندگی کو دیکھنے کے بعد اندازہ ہوتا ہے کہ واقعی آج کے دور میں خواتین کو بہت سی سہولیات میسر ہیں جو اُس دور کی خواتین کو میسر نہیں تھیں، جن کے سبب ان کی زندگی کا بیشتر حصہ بس انھی مصروفیات کی نذر ہو جاتا تھا۔

اس کے برعکس آج کی خواتین کو الحمدللہ وہ سب چیزیں دستیاب ہیں جن کی وجہ سے گھنٹوں کا کام منٹوں میں ہو جاتا ہے۔ آج کل مختلف قسم کی مشینوں نے جہاں بہت سارے کام آسان کیے ہیں وہیں اوقات میں گنجائش پیدا کر دی ہے کہ وہ گھریلو کام کاج کے علاوہ دوسرے کام بھی کر سکتی ہیں۔

ان ساری سہولیات کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ آج کے دور میں بھی خواتین وقت کی کمی کا شکوہ کرتی نظر آتی ہیں۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ مشینی دور نے جہاں خواتین کو بہت سی سہولیات مہیا کی ہیں جس کی وجہ سے ان کے کچن کے کام آسان ہو گئے، کپڑوں کی دھلائی، گھر کی صفائی، ان سارے کاموں میں بھی نوکرانیوں اور مشینوں کی سہولیات میسر ہیں وہیں ان پر کچھ دوسری ذمہ داریاں آگئی ہیں۔ بچوں کی پڑھائی، ان کا ہوم ورک کرانا، اسکول یا اسٹینڈ تک چھوڑ کر آنا، لے کر آنا، بعض گھرانوں میں مرد زیادہ مصروف ہوتے ہیں تو سبزی اور سودا لانا بھی خواتین کے ذمہ ہی ہے۔ لیکن ہمارا خیال یہ ہے کہ ان ساری ذمہ داریوں کے باوجود بھی آج خواتین کے پاس پہلے کے مقابلے زیادہ وقت ہے۔ لیکن ان کا یہ وقت ٹی وی دیکھنے، فون پر لمبی گفتگو کرنے یا موبائل کے غیر ضروری استعمال میں ضائع ہوتا نظر آرہا ہے اور ان کو وقت کی اہمیت کا احساس بھی نہیں ہوتا۔

آج اگر ہماری بہنیں چاہیں تو اپنے ان اوقات کو مثبت کاموں میں استعمال کر سکتی ہیں۔ موبائل، کمپیوٹر، لیپ ٹاپ سے صحیح کام لے کر اس جہان میں بھی اور آگے آنے والے جہان میں بھی اپنے لیے بہت سی چیزیں اکٹھا کر سکتی ہیں۔ موبائل میں کچھ ہم خیال گروپس بنا کر ان کے ذریعہ مختلف کام کیے جا سکتے ہیں۔ خدمت خلق کا کام کیا جا سکتا ہے۔ لوگوں کے بارے میں معلومات حاصل کر کے ان کی مدد کی جا سکتی ہیں۔ بہت سی بہنیں فیس بک اور واٹس ایپ کے ذریعہ کامیاب بزنس چلا رہی ہیں، تو ان کے ذریعہ کپڑوں، جیولری اور دوسری چیزوں کا آن لائن بزنس کیا جا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ اگر کچھ بہنیں اپنے علم سے دوسروں کو فائدہ پہنچانا چاہیں تو آن لائن کلاسیں بھی چلائی جا سکتی ہیں۔ جو خواتین لکھنے کا شوق رکھتی ہیں تو اپنی تحریر کے ذریعہ سوشل میڈیا سے کام لے سکتی ہیں۔ اسی طرح کے اور بھی کام ہو سکتے ہیں جن کو اپنے فارغ اوقات میں کر کے اپنے ان اوقات کو دنیا اور آخرت دونوں لحاظ سے کامیاب بنایا جا سکتا ہے۔ ■■■

تعلیم یافتہ لڑکیاں ازدواجی زندگی سے محروم کیوں؟

ڈاکٹر جہانگیر حسن مصباحی

تعلیم یافتہ لڑکیاں رشتے سے منسلک نہ ہونے کے باعث جس قدر غلط روی کی شکار ہو رہی ہیں اور جس پیمانے پر فسادِ معاشرہ کا سبب بن رہی ہیں اُس سے ہم میں کا ہر فرد و بشر بخوبی واقف ہے۔ بلکہ حد تو یہ ہے کہ آج خوش حال والدین بھی اپنی تعلیم یافتہ لڑکیوں کی ازدواجی زندگی کے مسئلے کو لے کر خون کے آنسو رُونے پر مجبور اور بے بس ہیں۔ اِس کی اہم وجہ یہ ہے کہ لڑکیاں اعلیٰ تعلیم حاصل کرتے ہوئے عمر کی اُس منزل پر پہنچ جاتی ہیں کہ اُن کے لیے مناسب جوڑے آسانی سے نہیں ملتے۔ حالاں کہ ہونا تو یہ چاہیے کہ تعلیم یافتہ ہونے کی وجہ سے لڑکیوں کی ازدواجی زندگی کا آغاز اَوّل فرصت میں ہو جائے، لیکن

mjhasan2009@gmail.com

ایسا نہیں ہوتا تو اِس کے پیچھے کون سے اسباب کار فرما ہیں اور اِس کا حل کیا ہے؟ چناں چہ اِس سلسلے میں غور و فکر کرنے پر جو اَسباب اور حل ہمارے سامنے آتے ہیں اُن میں بعض یہ ہیں، مثلاً:

(1) والدین شعوری طور پر اپنی لڑکیوں کی بروقت شادی سے لاپرواہی برتتے ہیں اور عذر لنگ یہ پیش کرتے ہیں کہ لڑکیاں تو اَبھی زیرِ تعلیم ہی ہیں۔ اِس طرح آہستہ آہستہ رشتے کی اصل عمر نکلتی چلی جاتی ہے اور جب رشتے کی اشد ضرورت محسوس ہوتی ہے تو بڑھتی عمر ایک اژدہے کی مانند منھ کھولے تعلیم یافتہ لڑکیوں کے سامنے کھڑی ہو جاتی ہے۔ لہٰذا لڑکیوں کی اَزدواجی زندگی کا آغاز بہر حال بروقت ہونا چاہیے اور اِس تعلق سے والدین کو تمام تر لاپرواہیوں اور غفلتوں سے سخت گریز کرنا چاہیے۔ نیز اِس عذر لنگ سے بھی دامن جھاڑ لینا چاہیے کہ ”لڑکیاں اَبھی زیرِ تعلیم ہی ہیں“، بلکہ اگر لڑکیاں ازدواجی زندگی کے لائق ہو جائیں تو دَورانِ تعلیم بھی کوئی مناسب رشتہ دیکھ کر اُن کو ازدواجی زندگی سے منسلک کر دیا جانا چاہیے، اور رَہا تعلیم و تعلّم کا مسئلہ ہے تو شادی کے بعد بھی باہم مشورہ اور اتفاق و محبت سے لڑکیوں کا تعلیمی سلسلہ جاری رکھا جا سکتا ہے۔

(۲) دسویں پاس کے لیے بارہویں پاس، بارہویں پاس کے لیے بی اے پاس، بی اے پاس کے لیے ایم اے پاس اور ایم اے پاس کے لیے ایم فل/پی ایچ ڈی ہولڈر لڑکا مطلوب ہوتا ہے اور یوں جن لڑکیوں کو ایک پُر سکون ازدواجی زندگی گزارنے کا موقع مل سکتا ہے، وہ بہتر سے بہترین اور مناسب سے مناسب ترین کی خواہش میں ازدواجی زندگی سے محروم رہتی ہیں اور ساتھ ہی ساتھ اُن کی عمریں بھی تیزی سے ڈھلتی چلی جاتی ہیں، چناں چہ اِس ذہنیت سے توبہ کرنے اشد ضرورت ہے اور اگر لڑکی-لڑکے کی جوڑی اچھی بھلی معلوم ہوتی ہو اَور ایک فریق دوسرے فریق کی شرافت و نجابت کو لے کر مطمئن ہو تو رشتے داری کر لینی چاہیے اگرچہ لڑکی کے بالمقابل لڑکا کم پڑھا لکھا ہی کیوں نہ ہو۔

(3) ایک عام ذہنیت یہ بھی بام عروج پر ہے کہ لڑکیاں اگر ملازمت پیشہ ہیں تو لڑکے بھی ملازمت پیشہ تلاش کیے جاتے ہیں، چناں چہ اگر ایسا رشتہ مل جائے تو سونے پہ سہاگا۔ لیکن بدقسمتی سے تلاش بسیار کے باوجود بھی اگر اِس طرح کا کوئی رشتہ نہ مل سکے، تو غیر ملازمت پیشہ لڑکے کے ساتھ بھی ازدواجی رشتہ قائم کرنے میں کوئی جھجک نہیں محسوس ہونی چاہیے، کیوں کہ اگر لڑکا تعلیم یافتہ ہے تو کبھی نہ کبھی وہ اپنا راستہ بنا ہی لے گا۔

(۴) بسا اوقات لڑکے تعلیم و ملازمت میں لڑکیوں کے ہم پلہ ہوتے ہیں لیکن پھر بھی ازدواجی رشتہ اُستوار نہیں ہو پاتا تو محض اِس لیے کہ لڑکیوں کے والد اَثر و رسوخ والے اور اعلیٰ طبقات سے تعلق رکھتے ہیں جب کہ اُن کے بالمقابل لڑکوں کے والد ایک عام انسان اور ایک میڈل کلاس سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ بہت ہی بُری بیماری ہے جو ہمارے معاشرے میں ناقابل یقین حد تک موجود ہے، اِس لیے اِس سلسلے میں بھی انتہائی سنجیدہ ہونے کی ضرورت ہے اور اَثر و رسوخ کی شیخی کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اگرچہ لڑکے اور اُن کے والد ایک میڈل کلاس اور ایک عام فیملی سے تعلق رکھتے ہوں لیکن جوڑی مناسب اور معقول ہے تو ازدواجی رشتہ قائم کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہونا چاہیے۔

(5) کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ لڑکے، لڑکیاں تعلیم و ملازمت میں مساوی ہوتے ہیں، لیکن لڑکیوں کے بالمقابل لڑکوں کی آمدنی کم ہوتی ہے تو اِس وجہ سے بھی ازدواجی زندگی اپنے آغاز سے پہلے ہی انجام کو پہنچ جاتی ہے، چناں چہ اِس طرح کے فاسد خیالات سے بھی بالخصوص پرہیز کرنا چاہیے اور لڑکوں کی آمدنی کم ہے یا زیادہ اِس پر نظر کرنے کے بجائے یہ دیکھنا چاہیے کہ لڑکے لڑکیاں ایک دوسرے کے لائق ہیں یا نہیں۔ محض قلت آمدنی کی بنیاد پر کسی اچھے رشتے کو نظر انداز کر دینا ہرگز دانش مندی نہیں ہے۔

(6) لڑکیاں لڑکے دونوں تعلیم و تعلّم، ملازمت اور آمدنی میں بھی برابر ہوتے ہیں لیکن چوں کہ لڑکیاں دیکھنے میں

شہزادی معلوم ہوتی ہیں اور لڑکے کی پرسنالٹی شہزادے کی سی نہیں ہوتی، تو بسا اوقات اِس سبب بھی ازدواجی رشتہ قائم نہیں ہو پاتا، کیوں کہ ایک شہزادی، ایک شہزادے سے کم پر راضی نہیں ہوتی۔ اِس طرح کا نظریہ بھی لڑکیوں کی ازدواجی زندگی کے لیے زہر ہے، لہٰذا لڑکے تعلیم و ملازمت اور آمدنی کے معاملے میں ہم پلہ ہوں تو اگرچہ وہ شہزادہ کے قبیل سے نہ ہوں پھر بھی رشتہ ازدواج میں منسلک ہو جانا چاہیے۔

(7) لائق وفائق اور مناسب جوڑا ہونے کے باوجود وَالدین، اپنی لڑکیوں کا رِشتہ اپنے خاندان میں کرنے سے گریز کرتے ہیں اور خاندان سے باہر لائق وفائق اور مناسب رشتہ کی تلاش جوئے شیر لانے کے مترادف ہوتا ہے، لہٰذا یہ بھی ایک منفی سوچ ہے اِس سے بھی پرہیز کرنا چاہیے اور اگر خاندان میں کوئی لائق وفائق اور مناسب رشتہ ہے تو اُسے اوّل فرصت میں قبول کر لینا چاہیے۔

لہٰذا سب سے پہلے تو لڑکیوں کو بروقت ازدواجی زندگی سے منسلک کرنے پر زور دیا جائے اور اِس سلسلے میں خود تعلیم یافتہ لڑکیوں کو پہل کرنی چاہیے اور ازدواجی زندگی سے منسلک ہونے کے لیے تمام طرح کے اُلٹے سیدھے افکار و خیالات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے محض شرعی اور اخلاقی تقاضوں کو مدنظر رکھنا چاہیے۔ وہ اِس طور پر کہ جس طرح ایک تعلیم یافتہ لڑکا، ایک غیر تعلیم یافتہ لڑکی کو اپنی زندگی میں شامل کر لیتا ہے۔ ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ لڑکا، ایک کم تعلیم یافتہ لڑکی سے اپنا رشتہ جوڑ لیتا ہے۔ ایک ملازمت پیشہ لڑکا، ایک غیر ملازمت پیشہ لڑکی کو اَپنا ہم سفر قبول کرنے میں نہیں ہچکچاتا۔ ایک کامیاب لڑکا ایک ناکام لڑکی کو اَپنا شریک حیات بنانے میں کوئی شرم محسوس نہیں کرتا۔ ایک اثر و رسوخ رکھنے والے خاندان کا لڑکا، ایک میڈل کلاس لڑکی سے رشتہ ازدواج قائم کرنے میں اپنی ہتک عزت نہیں سمجھتا وغیرہ، تو پھر لڑکیاں ازدواجی معاملے میں اِن باتوں کو اَہمیت کیوں دیتی ہیں؟ جب کہ اس حقیقت سے بھی انکار ممکن نہیں ہے کہ لڑکے کے بالمقابل ازدواجی زندگی کی زیادہ ضرورت لڑکیوں کی ہوتی ہے۔ کیوں کہ ازدواجی زندگی میں آجانے کے بعد لڑکیاں بہت سارے دنیوی و شیطانی خطرات سے محفوظ ہو جاتی ہیں اور ایک نگہبان کے سائبان میں آجاتی ہیں۔

چناں چہ لڑکیوں کو اِس معاملے میں مثبت فکر کے ساتھ قدم بڑھانا چاہیے اور ازدواجی زندگی قائم کرتے وقت محض تعلیم و تعلّم، ملازمت، آمدنی، اعلیٰ خاندان وغیرہ کو اَہمیت نہیں دینا چاہیے بلکہ اگر لڑکے لڑکیوں کی جوڑی شرعی واخلاقی لحاظ سے اطمینان بخش ہے اور معقول و مناسب ہے، تو پھر زندگی کی شاہراہ پر چل پڑنا چاہیے، اور خود سے اِس سوال کا جواب طلب کرنا چاہیے کہ جب ایک لڑکیاں، اپنے بے روزگار والدین اور بھائی بہن کی کفالت کر سکتی ہیں تو اَپنے بے روزگار شریک حیات کی کفالت کا ذمہ کیوں نہیں اُٹھا سکتیں؟ لہٰذا جس دن یہ نظریہ پروان چڑھ جائے گا کہ لڑکوں کی طرح لڑکیاں بھی ایک بے روزگار شریک سفر کے ساتھ اپنی ازدواجی زندگی کا آغاز بخوشی کر سکتی ہیں، تو ہمیں کامل یقین ہے کہ تعلیم یافتہ لڑکیوں کی ازدواجی زندگی ہر مسئلہ حل ہوتا نظر آئے گا۔ (ان شاءاللہ)

اہلِ قلم متوجہ ہوں!

ماہ نامہ اشرفیہ الجامعۃ الاشرفیہ کا دینی و علمی ترجمان ہے۔ ہم کوشش کرتے ہیں کہ اپنے قارئین کو ہر ماہ عمدہ ترین اور نفع بخش معلومات پیش کریں۔ اہلِ قلم حضرات و خواتین سے گذارش کرتے ہیں دینی و شرعی، تاریخی و ثقافتی، سیاسی و سماجی، ادبی اور فنی موضوعات پر اپنی نگارشات ماہ نامہ اشرفیہ کو ارسال فرمائیں۔ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور اور دیگر مدارس کے طلبہ و طالبات بھی اپنے مضامین اور دیگر کاوشیں ارسال کر سکتے ہیں، معیار کے پیش نظر وقتاً فوقتاً آپ کی ارسال کردہ تحریریں شائع کی جائیں گی۔ ان شاءاللہ عزوجل۔ (ادارہ)

فکر و نظر

اسلام دشمن طاقتوں کی سازشیں

اور امت مسلمہ کی ذمہ داریاں

بزمِ دانش میں آپ ہر ماہ بدلتے حالات اور ابھرتے مسائل پر فکر و بصیرت سے لبریز نگارشات پڑھ رہے ہیں۔ ہم اربابِ قلم اور علماے اسلام کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ دیے گئے موضوعات پر اپنی گراں قدر اور جامع تحریریں ارسال فرمائیں۔ غیر معیاری اور تاخیر سے موصول ہونے والی تحریروں کی اشاعت سے ہم قبل از وقت معذرت خواہ ہیں۔ از: **مبارک حسین مصباحی**

* اپریل 2025 کا عنوان — معاشی مسائل اور ان کے اسلامی حل
* مئی 2025 کا عنوان — دورِ جدید کے مسلم سائنس داں اور ان کی خدمات

جاگنے اور اپنی ذمہ داریوں کے سمجھنے کا وقت

از: مولانا آصف جمال جمالی مصباحی

دنیا کی تاریخ اس حقیقت کی گواہی دیتی ہے کہ جب بھی حق و باطل کے درمیان معرکہ برپا ہوا، باطل نے اپنی تمام تر توانائیاں صرف کر کے حق کے علم برداروں کو کمزور کرنے، انھیں منتشر کرنے اور ان کے عقائد کو متزلزل کرنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ آج بھی صورت حال کچھ مختلف نہیں۔ اسلام دشمن طاقتیں اپنی منظم سازشوں کے ذریعے امت مسلمہ کو جڑ سے کمزور کرنے کے منصوبے پر عمل پیرا ہیں۔ ان کا ہدف امت مسلمہ کے نوجوان اور بچے ہیں، جنھیں دین اسلام سے دور کر کے فکری، عملی اور مذہبی ارتداد کی طرف دھکیلا جا رہا ہے۔

موجودہ حالات کا تجزیہ: آج امت مسلمہ کو بے شمار چیلنجز کا سامنا ہے۔ فکری ارتداد کی طوفانی ہوائیں، عملی گمراہی کے جال اور مذہبی انحراف کے بادل امت مسلمہ کو ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہیں۔ میڈیا، انٹرنیٹ اور سوشل میڈیا کے ذریعے الحاد، سیکولرازم اور لبرل ازم کے نظریات کو فروغ دیا جا رہا ہے۔

جدید تعلیم کے نام پر اسلامی اقدار کو فرسودہ اور غیر ضروری قرار دیا جا رہا ہے، جب کہ مغربی تہذیب کو ترقی اور کامیابی کی علامت کے طور پر پیش کیا جا رہا ہے۔ روزانہ اخبارات اور سوشل میڈیا پر ایسی خبریں سامنے آتی ہیں جو امت مسلمہ کے زوال کی داستان سناتی ہیں۔ نوجوان نسل کی دین سے دوری، مذہبی معاملات میں لا پروائی اور اخلاقی اقدار کی پامالی ایک عام مسئلہ بن چکا ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے خبردار کیا:

وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ.

(سورۂ ہود: 113)

ترجمہ: اور ظالموں کی طرف نہ جھکنا، ورنہ تمھیں آگ چھولے گی۔

اسلام دشمن طاقتوں کی سازشیں: اسلام دشمن عناصر مختلف طریقوں سے اپنی سازشوں کو عملی جامہ پہنا رہے ہیں:

1. **تعلیمی نظام میں تبدیلی:** مسلمانوں کے تعلیمی نظام کو

استاذ الجامعۃ السنیۃ گلشن آمنہ للبنات، قمر کالونی گلبرگہ شریف

سیکولر بنیادوں پر استوار کیا جا رہا ہے تاکہ نئی نسل دین کی بنیادی تعلیمات سے ناواقف رہے۔ اسکولوں اور کالجوں میں ایسے نصاب متعارف کرائے جا رہے ہیں جن کا مقصد اسلامی تاریخ، عقائد اور اخلاقیات کو کمزور کرنا ہے۔

2. میڈیا کا منفی استعمال: فلموں، ڈراموں اور سوشل میڈیا کے ذریعے بے حیائی اور غیر اسلامی نظریات کو فروغ دیا جا رہا ہے۔ نوجوان نسل کو ایسے مواد کے ذریعے متاثر کیا جا رہا ہے جو انہیں دین سے دور اور مغربی طرزِ زندگی کی طرف مائل کرے۔

3. معاشرتی دباؤ: مسلمانوں کو ان کے مذہبی تشخص سے دور کرنے کے لیے مختلف سماجی دباؤ ڈالے جا رہے ہیں، جیسے حجاب پر پابندی، اسلامی شعائر کی مخالفت اور مذہبی آزادی کو محدود کرنا۔

4. فکری ارتداد: الحاد، لبرل ازم اور سیکولرازم کے نظریات کو نوجوانوں کے ذہنوں میں راسخ کرنے کی منظم کوشش کی جا رہی ہے۔

5. معاشی دباؤ: مسلمانوں کو اقتصادی طور پر کمزور کرنے کی سازشیں جاری ہیں تاکہ وہ عالمی سیاست میں اپنا مؤثر کردار ادا نہ کر سکیں۔

امت مسلمہ کی ذمہ داریاں: ان نازک حالات میں امت مسلمہ پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اپنی نئی نسل کو ان سازشوں سے محفوظ رکھنے کے لیے فوری اور مؤثر اقدامات کرے:

1. دینی تعلیم کا فروغ: مسلمانوں کو اپنے تعلیمی نظام کو اسلامی بنیادوں پر استوار کرنا ہوگا۔ اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں اسلامی تعلیمات کو لازمی قرار دیا جائے۔ والدین کو چاہیے کہ وہ اپنے بچوں کو دینی تعلیم سے آراستہ کریں اور انہیں قرآن و سنت کی روشنی میں زندگی گزارنے کی تربیت دیں۔ حدیث نبوی ﷺ ہے:

”طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ.“

(ابن ماجہ)

ترجمہ: علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔

2. میڈیا کا مثبت استعمال: میڈیا اور سوشل میڈیا کو اسلام کی تبلیغ اور اسلامی اقدار کے فروغ کے لیے استعمال کیا جائے۔ اسلامی چینلز، ویب سائٹس اور سوشل میڈیا پلیٹ فارمز کے ذریعے نوجوانوں کو دین کی حقیقت اور اس کی خوبصورتی سے روشناس کرایا جائے۔

3. اسلامی شعائر کا تحفظ: مسلمانوں کو اپنے مذہبی شعائر کی حفاظت کرنی چاہیے اور ان پر عمل کرنے میں فخر محسوس کرنا چاہیے۔ قرآن مجید میں فرمایا گیا:

اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ.

(سورۃ العنکبوت:45)

ترجمہ: بے شک نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے۔

4. نوجوانوں کی تربیت: نوجوان نسل کو اسلام کے بنیادی عقائد، عبادات اور اخلاقیات کی تربیت دی جائے۔ انہیں مغربی تہذیب کے منفی اثرات سے آگاہ کیا جائے اور اسلام کی حقانیت کو دلائل کے ساتھ سمجھایا جائے۔

5. اتحاد و اتفاق: امت مسلمہ کو اپنے داخلی اختلافات ختم کر کے اتحاد و اتفاق کا مظاہرہ کرنا ہوگا۔ حدیث نبوی ﷺ ہے:

”الْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ، لَا يَظْلِمُهُ وَلَا يُسْلِمُهُ.“ (بخاری و مسلم)

ترجمہ: مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، نہ وہ اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ ہی اسے بے یار و مددگار چھوڑتا ہے۔

یہ وقت امت مسلمہ کے لیے جاگنے اور اپنی ذمہ داریوں کو سمجھنے کا ہے۔ ہمیں قرآن و سنت کو اپنا رہنما بنا کر اخلاص کے ساتھ محنت کرنی ہوگی تاکہ امت مسلمہ کا روشن مستقبل یقینی بنایا جا سکے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اسلام پر ثابت قدم رکھے، ہماری نسلوں کو دین کا محافظ بنائے اور امت مسلمہ کو ہر سازش سے محفوظ رکھے۔ آمین بجاہ النبی ■■■

اسلام کی سب سے بڑی خوبی

از: مولانا محسن رضا ضیائی، لکچرار: دی دکن مسلم انسٹی ٹیوٹ، کیمپ، پونے

اسلام دنیا کا سب سے زیادہ موئثر اور تیزی سے پھیلنے والا مذہب بن چکا ہے، پوری دنیا میں اس کے متبعین پائے جاتے ہیں، بلکہ روز افزوں ان کی تعداد بڑھتی ہی جارہی ہے۔ ایک طرف چہار دانگ عالم میں اسلام کی شہرت و مقبولیت عروج پر ہے تو دوسری طرف اس کے مخالفین کو اس کی یہ ترقی ایک آنکھ نہیں بھا رہی ہے، وہ مسلسل اس کے خلاف سازشوں پہ سازشیں رچتے جارہے ہیں۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ دنیا کے دیگر مذاہب کے ماننے والوں کو اپنے دھرم کی بے ثباتی کا ڈر ستا رہا ہے، وہ جانتے ہیں کہ مستقبل میں دنیا بھر میں اسلام کا غلبہ و تسلط ہوگا، اسی لیے وہ اسے ختم کرنے کے درپے ہیں، جس کے لیے وہ آئے دن اس کے خلاف منفی پروپیگنڈے اور غلط ہتھکنڈے استعمال کررہے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ اسے مشکوک اور مشتبہ مذہب بناکر اقوامِ عالم کی نظر میں اِس کی حیثیت و عظمت کو گھٹائیں تاکہ اس کے بڑھتے ہوئے قدموں پر کسی طرح قدغن لگاسکیں۔

اسلام کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ دینِ فطرت ہے، وہ افراط و تفریط سے بالکل پاک اور اعتدال و میانہ روی والا مذہب ہے، جو اپنے ماننے والوں کو بھی اسی کی تعلیم دیتا ہے۔ اسی لیے دنیا بھر بالخصوص یورپ و امریکہ میں لوگ بڑی تیزی سے قبولِ اسلام کرکے اس کے دامنِ رحم و کرم میں پناہ لے رہے ہیں۔

یہ ایک فطری بات ہے کہ جو چیز اپنی ہمہ جہت خوبیوں اور اچھائیوں کی وجہ سے بہت زیادہ مشہور ہوتی ہے تو جہاں کچھ لوگ اسے اپنی پسند بنالیتے ہیں اور اپنی ترجیحات میں شامل کرلیتے ہیں وہیں بعض لوگ بغض و حسد میں مبتلا ہوکر اس کی شدید مخالفت پر بھی اتر آتے ہیں، اس کے خلاف کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرتے ہیں۔ یہی حال اسلام کا ہے کہ دنیا بھر میں لوگ اس کو آفاقی اور خدائی دین کے طور پر تسلیم کررہے ہیں، اس کی تعلیمات و ہدایات سے مستفیض و مستنیر ہورہے ہیں، لیکن بعض انتہا پسند عناصر اس کی بڑھتی مقبولیت اور ہمہ گیریت سے پریشان ہیں، جو اس کے خلاف منافرت کے بیج بو رہے ہیں اور اقوامِ عالم کے سامنے اس کی عظمت و رفعت کو کم کرنا چاہتے ہیں، اور یہ آج سے نہیں بلکہ یہ گھنونہ کام چودہ سو سالوں سے جاری و ساری ہے۔

یہ ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ ماضی میں مسلمانوں کو فرقوں میں بانٹ کر اور مسائل میں الجھاکر اسلام کو کمزور کرنے کی سازشیں کی گئیں، جو بہت حد تک کامیاب بھی ہوئیں، اسی طرح قرآن و احادیث پر بے جا اعتراضات اور اشکالات وارد کرکے اسلام کو زک پہنچانے کی بھی سعی لا حاصل کی گئی، اس کے علاوہ مسلمانوں میں اپنوں کے خلاف نفاق ڈال کر بھی اس کے مضبوط ستونوں کو ہلانے کی جسارت کی گئی۔ دشمنانِ اسلام کی جانب سے کیے جانے والے یہ تو ماضی کے حملے تھے، جو بہت زیادہ کارگر ثابت نہیں ہوئے اور اسلام اپنی آن بان اور شان کے ساتھ عزم و استقامت کے ساتھ قائم رہا، لیکن موجودہ دور ترقی، ٹیکنالوجی اور انٹرنیٹ سے بھرپور ہے۔ اِس دور میں تو نقصان پہنچانے کے لیے کئی ایک حیرت انگیز وسائل و ذرائع موجود ہیں، جن سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اغیار اسلام اور مسلمانوں کے خلاف دنیا بھر میں اشتعال انگیزی اور فتنہ خیزی کرتے دکھائی دے رہے ہیں۔ خاص طور سے سوشل میڈیا کے توسط سے کئی طرح کے حربے بہ روے کار لارہے ہیں۔

آئیے یہاں مختصر میں عصر حاضر کے تناظر میں اسلام دشمن

طاقتوں کی سازشوں کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ قرآن عظیم نے اغیار کی اسلام اور مسلم دشمنی سے پردہ اٹھاتے ہوئے بیان فرمایا کہ:

وَ لَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَ لَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ط (سورہ بقرہ، آیت:86)

اور یہودی اور عیسائی ہرگز آپ سے راضی نہ ہوں گے جب تک آپ ان کے دین کی پیروی نہ کرلیں۔

اِس آیتِ مقدسہ کی رو سے یہ اندازہ لگانا آسان ہے کہ یہ نا صرف اِس کرۂ ارض پر ہمارے وجود کو مٹانا چاہتے ہیں بلکہ ہمارے دین وایمان اور عقائد ونظریات کے بھی سخت دشمن ہیں۔

اسی طرح سورۂ صف کی آیت نمبر 7 سے 9 تک کو بہ غور تلاوت کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے دشمنانِ اسلام کی مکمل قلعی کھول کر رکھ دیا ہے اور ان کی سازشوں اور ریشہ دوانیوں کو امتِ اسلام کے درمیان طشت از ازبام فرمادیا ہے۔ آئیے یہاں یکے بعد دگرے سازشوں پر سے نقاب اُٹھاتے چلتے ہیں۔

اسلاموفوبیا:

اسلاموفوبیا کا معنی ڈر اور خوف کے آتے ہیں۔ لیکن یہ ایک اصطلاح بن گئی ہے، جو اسلام اور مسلمانوں کو بدنام کرنے کی غرض سے تیار کی گئی ہے۔ اسلامی تہذیب وثقافت اور اس کی تعلیمات سے غیر مسلموں کو متنفر کرنا، انہیں اسلام کے خلاف اکسانا اور اُن کے دلوں میں اسلام کا خوف پیدا کرنے کو اسلاموفوبیا کہا جاتا ہے۔ اِس لفظ کی ابتدا فرانسیسی زبان میں 1910 اور انگریزی زبان میں 1923 میں ہوئی، لیکن اسے نائن الیون کے حملوں کے بعد بہت زیادہ استعمال کرکے مغربی ممالک میں اسلام کو درپردہ بدنام کرنے کی گھنونی سازش کی گئی، جس کی بنیاد پر مسلمانوں کو دہشت گرد کہا جانے لگا۔ ''اسلاموفوبیا'' اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ایک بہت بڑی سازش ہے، جسے خاص طور سے مخالف میڈیا اور مغربی استعماری طاقتیں مزید بڑھاوا دیتی ہے۔ حالاں کہ اسے ایک جرم سمجھتے ہوئے اقوامِ متحدہ میں ہر سال 15 مارچ کو اسلاموفوبیا ڈے منانے کی ایک قرار داد بھی پاس ہوئی ہے۔ آج کل دنیا بھر میں جتنی بھی اسلام مخالف سرگرمیاں سامنے آرہی ہیں ان سب کے پیچھے اسلاموفوبیا ہی پیش پیش ہے۔ مخالفین اسلاموفوبیا کے ذریعہ اسلام اور مسلمانوں کو دہشت گردی اور انتہا پسندی سے جوڑ کر دکھانا چاہتے ہیں، جن میں انہیں اب تک مکمل کامیابی نہیں مل پائی ہے۔

مستشرقین کی کارستانیاں:

فتنۂ استشراق یہ بھی مغربی ذہنیت کا پیداوار ہے، جس کی بنیاد ہی اسلام کے خلاف پڑی ہے۔ اِس سے منسلک افراد کو مستشرقین کہا جاتا ہے، جو یوروپی ممالک کی گود میں بیٹھ قرآن و احادیث، فقہ وتفسیر، تاریخ وسیرت اور اسلامی تہذیب وثقافت میں کمیاں اور کمزوریاں تلاش کرتے ہیں یا ان کی غلط تشریح وتعبیر پیش کرکے روئے اسلام کو مسخ کرنے کی نازیبا حرکات سرانجام دیتے ہیں۔ یہ یوروپ وامریکہ میں اسلام کے خلاف بہت زیادہ سرگرمِ عمل ہیں۔ ان کی سب سے بڑی کارستانی یہ ہے کہ انہوں نے اسلامی اقدار وروایات اور اس کی تعلیمات وہدایات کو قطع و برید کرکے دنیا کے سامنے پیش کیا، جس کے نتیجے میں اسلام کے خلاف لوگوں کے قلوب واذہان میں کئی طرح کے شکوک و شبہات نے جنم لیا، جس کے نظائر ہمیں ہر آئے دن دیکھنے کو ملتے ہیں، یہ سب مستشرقین ہی کا کیا دھرا ہے۔ ان کا دیکھا دیکھی ایشیائی ممالک میں بھی بہت سی تحریکیں اور تنظیمیں قائم ہوئیں، جن کا مقصد ہی اسلام اور مسلمانوں کو بدنام کرنا ہے۔

شانِ رسالت مآب میں گستاخیوں کا تسلسل:

یہ بات کسی پہ مخفی نہیں کہ عہدِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے گستاخیوں کا سلسلہ چلا آرہا ہے، تاہم موجودہ وقت میں بہت زیادہ شدت آئی ہے۔ یوروپی ممالک کی ذہنی پراگندگی نے ہندوستان میں بھی اپنے تعفن زدہ اثرات چھوڑے جس کی

وجہ سے یہاں بھی بڑی تیزی سے گستاخیوں کی سونامی آچکی ہے جو تھمنے کا نام نہیں لے رہی ہے۔ بلکہ اس میں کوئی دورائے نہیں کہ کھلے بندوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مشاہیر اسلام کی شان میں اہانت و بدکلامی کا ارتکاب کیا جارہا ہے اور یہ سب حکومت کی پشت و پناہی میں ہورہا ہے، جو بہت زیادہ باعثِ تشویشناک بات ہے۔

بلاشبہ اسلام کو کمزور اور بدنام کرنے کے لیے یہ ہتھکنڈہ استعمال کیا جارہا ہے جو ایک سازش کے طور پر کام کر رہا ہے تاکہ گستاخیاں کرکے انہیں اکسایا جائے اور پھر جب وہ سڑکوں پر اتر آئے تو دنیا کے سامنے انہیں دہشت گرد یا ملک مخالف قرار دیا جائے۔ ہمارے ملک میں اِس طرح کے ایک دو نہیں بلکہ سیکڑوں واقعات و حادثات پیش آچکے ہیں۔

حجاب پر پابندی:

اِسلام میں مسلم خواتین کے لیے حجاب یا پردہ کرنا واجب ہے۔ یہ ان کی عزت و عصمت اور حفاظت و صیانت کی ضمانت دیتا ہے۔ ہمارے ملک کا آئین و دستور بھی انہیں اپنی مذہبی آزادی کا مکمل حق دیتا ہے کہ وہ جس طرح چاہے حجاب کریں۔ لیکن بعض ریاستی حکومتیں، میڈیا اور بعض شدت پسند تحریکیں گاہے بگاہے حجاب پر تنازعات پیدا کرتے رہتی ہیں، یہاں تک کہ اسکول اور کالجوں میں بھی بچیوں کو حجاب کرنے سے روکتی ہیں۔ ان کا مقصد شعائرِ اسلام کو ختم کرنا ہے جس کے لیے وہ حجاب کو ہدفِ تنقید بناتے ہیں۔ صحیح معنی میں دیکھا جائے تو حجاب صرف ایک بہانہ ہے در اصل اسلام ہی ان کا نشانہ ہے۔

شریعت میں بے جا مداخلت:

شریعت سے ایک مسلمان کا رشتہ ایسا ہے جیسا کہ روح اور جسم کا۔ لہٰذا کوئی بھی مسلمان شریعت میں بے جا مداخلت اور اُس پر حرفِ تنقید کسی بھی صورت برداشت نہیں کرسکتا۔ ہمارے ملکِ ہندوستان میں گذشتہ چند سالوں سے جب سے زعفرانی حکومت بر سرِ اقتدار آئی ہے شریعت کو موضوعِ بحث اور نشانۂ طعن بنایا جارہا ہے، گودی میڈیا کو کھلی چھوٹ دی جاچکی ہے کہ وہ شریعت پر جب چاہے، جیسے چاہے، بحث و تمحیص کا بازار گرم کرے اور اپنی ٹی آر پی بٹورے۔ یقیناً یہ ایک افسوس ناک بات ہے کہ یہاں حکومت اور میڈیا کے ذریعہ شریعت کے چہرے کو داغدار کیے جانے کی باضابطہ مہم چلائی جارہی اور اس کے خلاف مورچہ کھولا جارہا ہے۔ ماضی میں اس کے کئی ایک شواہد و امثال موجود ہیں جن سے ہماری بات کی تصدیق ہوتی ہے۔ طلاقِ ثلاثہ، حجاب اور اس طرح کے اور بھی دگر مسائلِ شرعیہ کو چھیڑا گیا اور اُن میں جابرانہ طور پر مداخلت کی ناجائز کوشش کی گئی۔ شریعت کو ٹارگٹ کرنا ان کی کسی گہری سازش کو درشاتا ہے کہ وہ آگے چل کر اسلام کو کس قدر نقصانات سے دو چار کرنا چاہتے ہیں۔ الامان والحفیظ!

وقف کی املاک پر غاصبانہ قبضہ:

ہندوستان کی تاریخ میں سرکاری اعداد و شمار کے مطابق مسلمانوں کے پاس درگاہوں، مدرسوں، مسجدوں اور قبرستانوں کے نام پر آٹھ لاکھ بہتر ہزار ایکڑ زمینیں ہیں، جب کہ اتنی زمینیں ریلوے کے بعد کسی کے بھی پاس نہیں ہیں۔ زیادہ تر یہ وہ زمینیں ہیں، جنھیں مسلمانوں کے آبا و اجداد مسجدوں، مدرسوں، قبرستانوں اور درگاہوں کے نام پر وقف کرگئے ہیں۔ لیکن زعفرانی حکومت ان پر غاصبانہ قبضہ کرنا چاہتی ہے، جس کے لیے ایوانِ بالا و زیریں میں اس کے لیے بل بھی منظور کروا چکی ہے۔ اگر وقف کی املاک سنگھیوں کے ہتھے چڑھ جاتی ہے تو نہ جانے کتنے ہی مقاماتِ مقدسہ اور آثارِ قدیمہ سے مسلمانوں کو ہاتھ دھونا پڑے گا۔ زعفرانی ذہنیت اور سنگھی طبیعت رکھنے والے انتہا پسندوں کے ناپاک عزائم اور غلیظ سازشیں اسی کی طرف اشارہ کررہی ہیں، واقعی ایسا ہوتا ہے تو مدارس، مساجد، مقابر اور قبرستانوں کو سنگین خطرات درپیش ہوں گے۔

لوجہاد کا شوشہ:

یورپ وامریکہ میں جس طرح سرعت ورفتار کے ساتھ غیر مسلم دامنِ اسلام سے وابستہ ہورہے ہیں اسی طرح ہندوستان میں بھی غیر مسلم مذہبِ اسلام کا حصہ بنتے جارہے ہیں، بالخصوص مردوں کی بنسبت غیر مسلم لڑکیاں کثیر تعداد میں اسلام کی حقانیت سے متأثر ہوکر حلقہ بگوشِ اسلام ہورہی ہیں اور مسلمان ہی سے رشتۂ ازدواج سے منسلک ہورہی ہیں، جس کو گودی میڈیا اور متعصب حکومت نے لو جہاد کا نام دے رکھا ہے۔ لوجہاد کی آڑ میں مسلمانوں کو عالمی سطح پر بدنام کرنے کی ایک بہت بڑی سازش ہے جس کے پیچھے حکومت و میڈیا سے لے کر انتہا پسند تحریکیں کام کررہی ہیں۔ لوجہاد کو مسلم نوجوانوں سے جوڑ کر ملک اور غیر مسلم اقوام کے لیے سب سے بڑا خطرہ بتایا جارہا ہے۔

فتنۂ ارتداد اور اس کی تباہ کاریاں:

اکیسوی صدی میں مسلمانوں کو جو سب سے بڑا چیلنج درپیش ہے وہ فتنۂ ارتداد ہے، جس کی لپیٹ میں اب تک ہزاروں بناتِ حوا آچکی ہیں اور ابھی کتنی ہی اس کی زد پہ ہیں۔ غیر مسلم تنظیمیں منظم اور منصوبہ بند طریقے سے مسلم لڑکیوں کا برین واش کررہی ہیں اور ان کے ذہنوں میں اسلام کے خلاف زہر گھول رہی ہیں، اسی طرح مسلم بچیاں دانستہ و غیر دانستہ طور پر اپنے غیر مسلم عاشقوں کی محبت کے جال میں پھنس کر اپنا دین و ایمان تباہ و برباد کررہی ہیں۔ سامراجی طاقتیں باہم مل کر اِس سازش کو انجام دے رہی ہیں۔ اسلام کو بنیادی طور پر کمزور اور غیر مستحکم کرنے کے لیے یہ منظم سازش کی جارہی ہے، جس کے لیے مسلم نوجوان لڑکیوں کو مرتدہ بنایا جارہا ہے تاکہ مسلمانوں کے توالد و تناسل کے سلسلے کی روک تھام کی جاسکے۔

قادیانیت اور اس کی فتنہ خیزی:

قادیانیت کی یہودیت نوازی اور اسلام مخالف پالیسی سے کون واقف نہیں ہے، یہ کفار و مشرکین کا بغل بچہ ہے، جس نے اسلام کو کئی ایک خطرات و نقصانات سے دوچار کیا ہے اور آج بھی اس کے خلاف کمربستہ ہے۔ ملک بھر میں قادیانی اپنے بال و پر پھیلا رہا ہے اور اپنے عقائد و نظریات کی ترویج واشاعت میں شب و روز لگا ہوا ہے، جو ہمارے لیے کوئی اچھا شگون نہیں ہے۔ اس کے علاوہ حکومتِ ہند قادیانیوں کو ہمارے ملک میں داخل کرکے اور بڑے عہدوں پر براجمان کرکے اسلام اور مسلمانوں پر مسلط کرنا چاہتی ہے تاکہ انہیں اور بھی مزید حالات میں گھیرا جاسکے۔ اس کے پیچھے بہت بڑی سازش کارفرما ہے۔

میڈیا کی زہر افشانیاں:

بڑے افسوس کی بات ہے کہ ملک کی جمہوریت کا چوتھا ستون حکومت کی گود میں جا بیٹھا ہے، وہ شتر بے مہار ہوچکا ہے۔ اسی لیے تنگ نظر اور متعصب حکومتوں نے اسلام کو پے در پے بدنام کرنے کے لیے اسے کانٹریکٹ دے رکھا ہے کہ وہ جس طرح اور جیسے چاہے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ماحول بنائے اور اسلامی تعلیمات کو موضوع بحث بناکر اسے توڑ مروڑ کر دنیا کے سامنے پیش کرے، جسے نفرتی میڈیا بڑی ہی تن دہی اور یکسوئی کے ساتھ اس کام کو انجام دے رہا ہے۔ میڈیا کے ذریعہ بین الاقوامی سطح پر اسلام اور مسلمانوں کی ایک مشتبہ تصویر پیش کی جارہی ہے۔

ہماری ذمہ داریاں:

متذکرہ بالا سطور میں ہم نے اسلام دشمن طاقتوں کی سازشوں اور ریشہ دوانیوں کو یکے بعد دگرے سپردِ قرطاس کیا۔ اب اِس سلسلے میں ہم سب کی یہ ذمہ داریاں بنتی ہیں کہ ان سب کے حوالے سے امت میں بیداری لائیں، انہیں باطل پرستوں کی سازشوں سے آگاہ کریں، نیز ان کی چال بازیوں اور شرارتوں کو سمجھنے کی کوشش کریں، جو فتنے سر اُبھار رہے ہیں انہیں وقت سے پہلے ہی کچل دیں۔ مخالفین نے چہار جانب سے اسلام کے

خلاف سازشوں کا جال بچھا رکھا ہے، اُن میں پھنسنے سے خود بھی بچیں اور دوسروں کو بھی بچائیں۔ خاص طور سے مستشرقین کی کارستانیوں سے واقف رہیں اور امت کو اُن کی غلیظ حرکتوں سے بچائیں۔ اس کے لیے باضابطہ علما و اسکالر کی ایک ایسی ٹیم تیار کریں، جو عالمی سطح پر قرآن و احادیث، تاریخ و سیرت اور فقہ و تفاسیر پر اِن کی پھیلائی گئی غلط تحریروں، پروپیگنڈوں اور شر انگیزیوں کا مدلل و مسکت جواب دے سکے۔

اسی طرح فتنۂ ارتداد مسلم معاشرہ میں اپنے بال و پر پھیلا رہا ہے، اس کے لیے بچیوں کی عفت و حیا کی حفاظت کا بیڑا اٹھائیں اور اس فتنہ کی سرکوبی میں اپنا اہم کردار ادا کریں۔ خواتین اور بچیوں کو اُن کا لقمۂ ہوس اور بد مذہبیت سے بچانے کے لیے جو ممکنہ صورتیں ہو سکتی ہیں وہ کر گزریں، کیوں کہ اس کا انسداد و خاتمہ کرنا نہایت ہی ضروری ہو گیا ہے۔ اگر ہم نے اِس معاملے میں کہیں دیر کر دی تو پتا نہیں اور ہماری کتنی بہو بیٹیاں اس کا شکار ہوں گی۔

اسلاموفوبیا یہ غیروں کی ایک بہت بڑی سازش ہے، جس کو بے نقاب کرنا اور دنیا میں اسلام کی صحیح تصویر و شبیہ پیش کرنا ہم سب کی اوّلین ذمہ داری ہے۔ اگر ہم ایسا کرنے میں ناکام ہوئے تو یاد رکھیں کہ وہ اکنافِ عالم میں اسلاموفوبیا کے منفی اثرات ثبت کرنے میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑیں گے۔

ملک کی بدنامِ زمانہ میڈیا بھی اسلام کے خلاف برسرِپیکار ہے، اس کے کسی بھی پروگرام میں شرکت سے گریز کریں اور اپنے اندرونِ خانہ کسی بھی معاملے کو میڈیا تک پہنچانے سے بچیں۔ آج کی تاریخ میں میڈیا کا ایک سیاہ کردار سامنے آچکا ہے، اس سے جتنا بچ سکتے ہیں بچیں اور اپنی نسلوں کو بھی اس کی ہرزہ سرائیوں سے بچائیں، کیوں کہ اس نے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف محاذ کھول رکھا ہے۔ اگر ممکن ہو سکے تو کسی اسلامی میڈیا کا قیام عمل میں لائیں اور اس کے ذریعہ عالمی سطح پر اسلام و شریعت کا دفاع کریں۔

قادیانیت کا فتنہ بھی ملک بھر میں پیر پسار رہا ہے، جس کے دامِ تزویر میں سادہ لوح لوگ بڑی تیزی سے آتے جا رہے ہیں، لہٰذا اس کی روک تھام بھی نہایت ہی ضروری ہے، اس کے لیے مستقل لائحۂ عمل تیار کریں اور اس فتنہ کی سرکوبی میں اپنا بنیادی کردار ادا کریں۔

جس طرح ہمیں عالمی سطح پر مسائل و حالات گھیرے ہوئے ہیں وہیں اپنے ملکِ عزیز ہندوستان میں بھی حکومتی سطح پر بہت سارے دینی، شرعی، معاشی، سیاسی، سماجی اور ملکی مسائل ہمارا تعاقب کیے ہوئے ہیں۔ اِن کے تصفیہ و حل کے لیے اربابِ علم و دانش آگے آئیں اور کچھ ایسی تدابیر اختیار کریں جس سے شریعت اور امتِ مسلمہ پر کوئی افتاد نہ آئے۔

یہ سچ ہے کہ ہمیں ایک نہیں بلکہ کئی ایک فتنوں اور چیلنجوں کا سامنا ہے، کن کن کو ضبطِ تحریر میں لائیں، سمجھ میں نہیں آتا۔ سید حامد کے بقول:

ایک دو زخم نہیں جسم ہے سارا چھلنی
درد بے چارہ پریشاں ہے کہاں سے نکلے

پھر بھی حتی الوسع کوشش کریں اور اسلام کے خلاف ہر اُٹھنے والے فتنے کو زیر کریں۔ یاد رکھیں کہ موجودہ دور میں اسلام و شریعت کا تحفظ کرنا یہ کسی ریاضت و مجاہدہ سے کم نہیں ہے بلکہ یہ وقت اپنے دین کے لیے سر کٹانے کا بھی ہے اور اس کی سربلندی کا بھی۔ لہٰذا اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اغیار کی جانب سے جو سازشوں کے جال بنے گئے ہیں انہیں اپنے ایمان و یقین کی طاقت و قوت اور عزم و استقامت سے توڑ کر انہیں اپنے منصوبوں میں ناکام بنائیں اور اُن کے آگے بنیان مرصوص بن کر ثابت قدم رہیں، اسی میں ہمارے دین و ایمان کی بقا و سلامتی ہے۔

■■■

گوشۂ ادب

نعت خوانی کے آداب و اقدار

مفتی توفیق احسن برکاتی

"نعت" محبوبِ خدا، جانِ جہاں، بشارتِ انبیا و مرسلین، ممدوحِ ملائکہ حضور خاتم پیغمبراں صلی اللہ علیہ وسلم کی جلیل الشان بارگاہ میں منثور و منظوم نذرانۂ محبت کا نام ہے۔ بقول امامِ نعت گویاں امام احمد رضا قادری: "نعت اقدس اعظم فرائض ایمان سے ہے۔"

نعت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل و شمائل اور اوصاف و کمالات کا تذکرہ ہوتا ہے، ان کی ذات سے استغاثہ ہوتا ہے، صحابۂ کرام کے اندازِ عشق کا بیان ہوتا ہے، ان کی والہانہ وارفتگی کی منظر کشی ہوتی ہے، اور ان کی جاں نثاری کا ایسا ذکر ہوتا ہے جو سننے یا پڑھنے والوں کے دل و دماغ کو اتباع و امتثال پر آمادہ کرے۔ "نعت" قرآن و احادیث، آثارِ صحابہ اور سیرت و تاریخ اسلام کی روشنی میں حضور ختمی مرتبت علیہ الصلاۃ والسلام کی ذات والا تبار کی متنوع رنگ نقاب کشائی کا نام ہے۔ نعت ایک پیغام بھی ہے جو اہل ایمان کو شریعت پر عمل اور اسوۂ حسنہ کے کامل اتباع تک پہنچاتا ہے اور لذتِ بندگی سے آشنا کرتا ہے۔ نعت ایک ذریعہ بھی ہے جو نعت نگار اور نعت خواں کی بارگاہِ رسول تک رسائی کو آسان بناتا ہے۔ نعت برکتوں کے حصول اور رحمت الٰہی کے نزول کا ایک موئثر وسیلہ بھی ہے۔

نعت گوئی کسی زمانے کے ساتھ خاص نہیں، اس کا سلسلہ ابتدائے آفرینش سے جاری ہے۔ "کن محمداً" کہہ کر جب خالق کائنات جل جلالہ نے حقیقتِ محمدیہ کی تخلیق فرمائی تو یہ "اولیت" نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ممتاز و محمود خوبی قرار پائی۔ اسی طرح "لٰکِنۡ رَّسُوۡلَ اللّٰہِ وَ خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ ؕ" کے قرآنی فرمان کے ذریعہ جب ان کے آخری نبی ہونے کا اعلان ہوا تو یہ "آخریت" بھی ان کا منفرد کمال بنی۔ یوں وہ اول بھی ہوئے اور آخر بھی، شاعر مشرق ڈاکٹر محمد اقبال لاہوری نے اس حقیقت کو یوں منظوم کیا ہے:

وہ دانائے سبل، ختم الرسل، مولائے کل، جس نے
غبارِ راہ کو بخشا فروغِ وادیِ سینا
نگاہِ عشق و مستی میں وہی اول، وہی آخر
وہی قرآں، وہی فرقاں، وہی یٰس، وہی طٰہٰ

آسمانی صحیفوں میں موجود آمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارتیں اور ان کے اوصاف جلیلہ بھی زمرۂ نعت میں شامل ہیں۔ خود قرآنی مجید میں جگہ جگہ اللہ عزوجل کی حمد و ثنا کے تذکار بھی ہیں اور محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خوبیوں اور ان کے سراپا کا بیان بھی۔ ان کے اخلاق کا تذکرہ نعت ہی تو ہے، ان کا شاہد و مبشر و نذیر، داعی و سراج منیر ہونا بھی نعت ہے، اللہ اور اس کے فرشتوں کا ان پر درود بھیجنا بھی نعت ہے، ان کی غیب دانی کا بیان نعت ہے، ان کے اختیار کلی کا تذکرہ نعت ہے، ان کی سخاوتوں کا بیان نعت ہے، راتوں میں ان کا قیام بھی نعت ہے، راہِ خدا میں ان کی تاریخی قربانیوں کا ذکر نعت ہے، ان کے اسوۂ حسنہ کا بیان بھی نعت ہے۔ قرآن مجید کی وہ تمام آیتیں جن میں وضاحت کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان و عظمت بیان ہوئی ہیں وہ نثری نعت کے الہامی نمونے ہیں اور ہر نعت نگار کو ان کے اتباع کا حکم ہے۔

صحابۂ کرام نعتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا مقصد حیات جانتے تھے۔ وہ نعت نگار بھی تھے اور نعت خواں بھی، حضرت حسان بن ثابت اور کعب بن زہیر جیسے نعت گو صحابہ کو بارگاہِ نبی میں نعت خوانی کا شرف حاصل ہے۔ حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ

تعالیٰ عنہ نے جب اپنا مشہورِ زمانہ قصیدہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سنایا تو آپ نے مسرت وشادمانی کا اظہار کرتے ہوئے اپنی چادر انھیں عطافرمائی۔ وہی قصیدہ "قصیدہ بردہ" کے نام سے مشہورِ آفاق ہوا۔ صحیح بخاری میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے لیے منبر بچھواتے اور وہ اس پر کھڑے ہوکر نبی کی نعتیں سنایا کرتے۔ روایتوں میں آتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قحط کی شکایت کی گئی، آپ منبر پر تشریف لائے، اللہ کی حمد وثنا بیان کی اور آسمان کی جانب دونوں ہاتھ بلند کیے اور بارگاہِ خداوندی میں دعا کی، دعافوراً قبول ہوئی اور بارش ہونے لگی۔ بارش کا ایک قطرہ مسجد کی چھت سے چھن کر آپ کی ریش مبارک پر آیا اور ہتھیلی پر ٹپکا تو اس قطرے کو فضا میں اچھال کر فرمایا: "اگر چچا ابوطالب حیات ہوتے تو ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جاتیں۔ کون ابوطالب کا کہا ہوا قصیدہ گنگنائے گا؟" حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کی: آپ کا مطلب وہ قصیدہ جس میں یہ اشعار ہیں:

و أبيض يستسقى الغمام بوجهه
ثمال اليتمیٰ، عصمة للأرامل
يلوذ به الهلاك من آل هاشم
فهم عنده فى نعمة و فواضل

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں، یہی قصیدہ ہے۔ (ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ص:93، ج:6)

صحیح بخاری میں عبداللہ بن دینار کی روایت ہے کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو ابوطالب کا وہ مشہور شعر گنگناتے ہوئے سنا۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ میں یہی شعر گنگناتی اور اپنے والد ماجد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے استفسار کرتی کہ اس شعر کا مصداق کون ہے؟ تو آپ کا جواب ہوتا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم۔

صحابہ کے بعد تابعین، مجتہدین، مجددین، سالکین، طالبین، اولیاے کاملین وعلماے دین نے اپنی مجالس میں نعت خوانی کا شرف پایا اور بصد شوق ومحبت نعتیں سماعت فرماتے رہے۔ یہ نعت خوانی کا وہ روایتی اور تاریخی زریں سلسلہ ہے جو آج تک جاری وساری ہے اور دنیا بھر کے اہل ایمان مدحت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ترانے گنگناتے ہیں اور اس کی برکتوں سے مالامال ہوتے ہیں۔

نعت خوانی کے آداب:

اب ہم نعت خوانی کے کچھ شرعی آداب ذکر کرتے ہیں کہ ہر نعت خواں کو ان کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ اگر ان قدار کا پاس ولحاظ نہ کیا گیا تو نعت خوانی باعثِ برکت ہرگز نہ ہوگی۔ عرفی کہتا ہے: "ایں رہِ نعت است نہ صحرا"۔

(۱) بارگاہِ رسول کا اکرام:

"نعت" میں نعت گو شاعر کا ممدوح محبوبِ خدا ہے، جن کا مرتبہ وانبیا و مرسلین میں سب سے بلند ہے، ان کا مقام "بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر" ہے۔ وہ کائنات کی سب سے محبوب ومقدس ہستی ہے اور وہ بارگاہ سب سے پُر وقار بارگاہ۔ جہاں ستر، ستر ہزار ملائکہ صبح وشام حاضری دیتے ہیں۔ اس بارگاہ کے ادب واکرام کی تاکید قرآن مجید میں یوں وارد ہوئی:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَ لَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ. (الحجرات 49- آیت:2)

[ترجمہ: اے ایمان والو! اپنی آوازیں اونچی نہ کرو اس نبی کی آواز سے اور ان کے حضور بات چلّا کر نہ کہو جیسے آپس میں ایک دوسرے کے سامنے چلّاتے ہو کہ کہیں تمھارے عمل ضائع نہ ہو جائیں اور تمھیں خبر نہ ہو۔]

یہ حکم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ ظاہری کے ساتھ خاص نہیں بلکہ بعد وصال بھی اس پر عمل لازم ہے۔ ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسجد نبوی میں دو شخصوں کی بلند آواز سنی تو ان کے پاس آئے اور فرمایا: "تم دونوں

جانتے ہو کہ کہاں کھڑے ہو؟“ پھر پوچھا: ”تم کس علاقے سے تعلق رکھتے ہو؟“ انھوں نے بتایا کہ ہم طائف کے رہنے والے ہیں۔ آپ نے فرمایا: ”اگر تم مدینہ منورہ کے رہنے والے ہوتے تو میں تمھیں ضرور سزا دیتا۔“ (تفسیر ابن کثیر، ص:343، ص:7)

خلیفہ ابو جعفر منصور نے حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے مسجد نبوی میں مناظرہ کیا۔ دورانِ مناظرہ ابو جعفر کی آواز کچھ بلند ہوئی تو حضرت امام مالک نے فرمایا: اے امیر المومنین! اس مسجد میں اپنی آواز اونچی نہ کریں۔ یعنی رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت اب بھی اسی طرح ہے جس طرح ان کی ظاہری زندگی میں تھی اور ان کا اکرام اسی طرح لازم ہے۔

قرآن مجید میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت سے اختصاصی خوبیوں کا تذکرہ ہے۔ ایک مقام پر اللہ رب العزت ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا.

(سورۂ احزاب 33۔ آیت:45)

[ترجمہ: اے نبی! بے شک ہم نے تمھیں بھیجا حاظر، ناظر اور خوش خبری دیتا اور ڈر سناتا۔]

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم درجۂ شہود پر فائز ہیں۔ قیامت تک ہونے والی ساری خلق کے شاہد ہیں اور ان کے اعمال واشغال، احوال واطوار کا مشاہدہ فرماتے ہیں۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إن أولىٰ الناس به المتقون من كانوا وحيث كانوا. (مسند امام احمد بن حنبل، حدیث نمبر:647)

یعنی لوگوں میں سب سے زیادہ میری ذات سے متقی قریب ہیں وہ جو بھی ہوں، جہاں بھی ہوں۔

ان آثار کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ نعت خوانی چاہے مدینہ منورہ میں روضۂ رسول کے پاس ہو یا دنیا میں کہیں اور، اسے غائبانہ نہیں مشاہداتی سمجھنا چاہیے۔ کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صفت حضوری عطا ہوئی ہے۔ اس لیے ہر نعت خواں کو چاہیے کہ وہ یہی خیال رکھے کہ وہ بارگاہِ رسول میں اپنا کلام پیش کر رہا ہے۔ ”نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا“۔

(۲) شرعی وادبی کلام کا انتخاب:

نعت خواں اچھے نعتیہ کلام کا انتخاب کرے جو شرعی وادبی دونوں اعتبار سے درست ہو۔ ایسے نعت گو شعرا کا کلام جو نعتیہ شاعری کی نزاکتوں سے واقف ہوں۔ جن کے نعتیہ اشعار میں ایسے لفظوں کا استعمال ہوا ہو جو صحیح مفہوم ومعنی میں متعین ہوں اور ان میں کسی غلط معنی کا ایہام نہ ہو۔

قرآن مجید میں ہے: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَ قُوْلُوا انْظُرْنَا وَ اسْمَعُوْا ؕ وَ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ. (سورۂ بقرہ 2۔ آیت:104)

[ترجمہ: اے ایمان والو! راعنا نہ کہو اور یوں عرض کرو کہ حضور ہم پر نظر رکھیں۔ اور پہلے ہی سے بغور سنو۔ اور کافروں کے لیے دردناک عذاب ہے۔]

اس آیۂ کریمہ کا شان نزول ”خزائن العرفان“ میں یوں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کو کچھ تعلیم وتلقین فرماتے تو وہ کبھی کبھی درمیان میں عرض کیا کرتے: راعنا یا رسول اللہ! اس کے یہ معنی تھے کہ یا رسول اللہ! ہمارے حال کی رعایت فرمائیے۔ یعنی کلام اقدس کو اچھی طرح سمجھ لینے کا موقع دیجیے۔ یہود کی لغت میں یہ کلمہ سوءِ ادب کے معنی رکھتا تھا، انھوں نے اس نیت سے کہنا شروع کیا۔ حضرت سعد بن معاذ یہود کی اس اصطلاح سے واقف تھے، آپ نے ایک روز یہ کلمہ ان کی زبان سے سن کر فرمایا: اے دشمنانِ خدا! تم پر اللہ کی لعنت، اگر میں نے اب کسی کی زبان سے یہ کلمہ سنا اس کی گردن مار دوں گا۔ یہود نے کہا: ہم پر تو آپ برہم ہوتے ہیں مسلمان بھی تو یہی کہتے ہیں۔ اس پر آپ رنجیدہ ہو کر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے ہی تھے کہ یہ آیت نازل ہوئی جس میں ”راعنا“ کہنے کی ممانعت

فرمادی گئی اور اس معنی کا دوسرا لفظ "أنظر نا" کہنے کا حکم ہوا۔

مفسر قرآن صدرالافاضل علامہ سید محمد نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمہ اس کے بعد لکھتے ہیں: "اس سے معلوم ہوا کہ انبیا کی تعظیم و توقیر اور ان کی جناب میں کلماتِ ادب عرض کرنا فرض ہے اور جس کلمہ میں ترکِ ادب کا شائبہ بھی ہو وہ زبان پر لانا ممنوع۔"

اس لیے لفظیات کے انتخاب میں سخت احتیاط کی ضرورت ہے، نعت کا ہر شعر شعریت و شریعت کی میزان پر جانچا پرکھا ہو اور اس عظیم بار گاہ کا ادب و احترام بھی ملحوظِ خاطر ہو۔ یہ کام ہر نعت نگار کو کرنا ہے، ورنہ ذرا سی کوتاہی اور غفلت قعرِ مذلت میں ڈال سکتی ہے۔ نعت خوانوں کو چاہیے کہ ایسا کلام منتخب کریں جن کا ہر شعر نعت کے مضمون کے لیے متعیّن ہو۔ مستند شعرا کا کلام پڑھا جائے۔

اسی طرح یہ بھی لازم ہے کہ ایسا کلام پڑھیں جس کے اشعار ظاہر المعنیٰ ہوں یعنی ان کا ظاہر کسی غیر شرعی مضمون کو نہ بتاتا ہو اگر چہ وہ قابل تاویل ہوں اور ان کا باطن شرعی مضمون رکھتا ہو۔ جیسے قدیم صوفی شعرا کے بہت سے اشعار کہ آج کے سامعین و ناظرین اتنے سخن فہم نہیں کہ وہ تصوف کی اصطلاحوں سے واقف اور شرعی نزاکتوں کو سمجھتے ہوں۔ آج کے ماحول میں ایسا کلام سخت خلجان کا سبب بنے گا، اس لیے موجودہ نعت خوانوں کو اس سے احتراز کرنا چاہیے۔

(۳) اظہارِ محبت میں شائستگی:

نعتیہ اشعار میں محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے اظہارِ محبت ایک غالب مضمون کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ ہر بندۂ مومن جانِ ایمان صلی اللہ علیہ وسلم سے کامل عشق و وارفتگی رکھتا ہے اور اسے اپنی زندگی کی سب سے قیمتی متاع جانتا ہے اور موقع بموقع نثر و نظم میں اس کا اظہار بھی کرتا ہے۔ لیکن یہ عشق حقیقی کی دنیا ہے جہاں اظہارِ و اعلانِ محبت بھی حد درجہ احتیاط کا تقاضا کرتی ہے۔ یہ بڑی نازک راہ ہے جو کسی پل صراط سے کم نہیں۔ اس لیے شعرا اور نعت خوانوں پر لازم ہے کہ وہ ایسا شعر کہیں یا پڑھیں جس میں اظہارِ عشق کا مضمون سوقیانہ اور مبتذل نہ ہو۔ بلفظ دیگر محبت کا اظہار بازاری لہجے میں نہ کیا گیا ہو اور ہر لفظ ادب کی چاشنی رکھتا ہو۔

(۴) ادبی اندازِ بیان:

مزید برآں نعت خوانی کے انداز میں بھی ادب و شائستگی ہونی چاہیے۔ نعت خوانی کا ایسا انداز قطعی نامناسب اور غیر موزوں ہے جس میں قرینۂ ادب نہ شامل ہو۔ عام طور پر مذہبی اجلاس میں نعت خوانی ہوتی ہے جہاں عوام و خواص کا اجتماع ہوتا ہے اور سامعین و حاضرین اسٹیج پر موجود ہر خطیب و نعت خواں کو دین کا نمائندہ سمجھتے ہیں اور انھیں بااخلاق دیکھنا چاہتے ہیں، ان کی سنجیدگی سے متاثر ہوتے ہیں۔ یہ مجلس قہقہہ ہرگز نہیں، جہاں ہلڑ بازی ہو، غیر سنجیدہ مذاق کیا جائے، یا اپنی دنیاداری کو طشت از بام کیا جائے۔ مذہبی اسٹیج کی اپنی الگ پہچان اور وقار ہے اور اس کی حفاظت عوام الناس کو بعد میں، اسٹیج سنبھالنے والوں کی پہلے کرنی ہے۔ دینی محفلوں کی عزت نیلام کرنے کا حق کسی کو نہیں دیا جا سکتا۔

شہر ممبئی میں ایک بڑا اجلسہ تھا، جس میں ایک مجلے کی رسم رونمائی بھی ہونی تھی، عصری تعلیم گاہوں کے کچھ پروفیسران بھی تھے، پیران طریقت بھی، شعرا، ادبا و خطبا بھی۔ نقیب نے دورانِ نقابت ایک شاعر پر بطورِ مزاح کچھ تبصرہ کیا۔ تو اپنی باری میں شاعر موصوف نے دورانِ نعت خوانی جواباً نقیب کو مخاطب کرتے ہوئے ایک شعر پڑھا جس میں "ماہواری" قافیہ استعمال ہوا تھا اور انداز انتہائی غیر اخلاقی اور بھونڈا تھا۔ یہ سن کر بڑی کوفت ہوئی اور حاضرین میں انتہائی غلط تاثر گیا۔ ایک نعت خواں کا مزاج شائستہ ہونا چاہیے تاکہ اس کا وقار محفوظ رہے اور نعت کا تقدس پامال نہ ہو۔

(۵) فلمی گانوں کی طرز سے احتراز:

نعت خوانی کا اصل مقصد ممدوحِ کائنات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال و کمالات اور فضائل و شمائل کا منظوم تذکرہ اور ان کی ذات گرامی سے پاکیزہ وابستگی کا بیان ہے۔ یعنی جب نعت پڑھی جائے تو سننے والے کی نگاہ میں آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا سراپا

گھوم جائے اور وہ ان کی یاد میں کھو جائے، ان کی گلیوں میں اپنے وجود کو چلتا محسوس کرے، ان کے اصحاب کے اندازِ عشق پر فدا ہو جائے۔ کیف و مستی کا سماں ہو، انوارِ محبت کی بارش ہو، نکہتوں کا مدھم شور ہو، خانہ دل کی فضا میں مدینے کی ہواوں کی سرسراہٹ ہو۔ نعت خواں کی نگاہ میں محبوبِ خدا کا جلوہ ہو، نور میں ڈوبا ہوا پیکرِ جمیل ہو اور سامعین بھی تصورِ جاناں کی لذت سے سرشار ہوں۔

نعت خوانی کارِ ثواب اور سرمایۂ آخرت ہے جس کا دنیا اور آلاتِ دنیا سے کوئی ربط نہیں ہونا چاہیے۔ فلمی گانوں کی طرز پر نعت پڑھنا اور اس میں ساز و موسیقی کو شامل کرنا "نعت" کے تقدس کو پامال کرنا اور تعلیماتِ نبویہ سے سراسر انحراف ہے۔ اس لیے فقہا نے اس کو سخت ممنوع قرار دیا ہے۔ جب کوئی نعت خواں نعت کو مشہور گانوں کی طرز پر پڑھتا ہے تو سننے والے کا دھیان کدھر جاتا ہے؟ یہ بتانے کی چنداں ضرورت نہیں۔ لہجے میں غیر ضروری اتار چڑھاؤ کے ساتھ حمدیہ و نعتیہ اشعار پڑھنا حمد و نعت کی شان کے بھی خلاف ہے۔ خوش آوازی اچھی چیز ہے، عمدہ ترنم بھی ہونا چاہیے لیکن حدِ ادب میں۔ ڈاکٹر اقبال کا مشہورِ زمانہ شعر ہے:

خموش اے دل! بھری محفل میں چلّانا نہیں اچھا
ادب پہلا قرینہ ہے محبت کے قرینوں میں

جیسے شریعت کا حکم ہے کہ قرآن مجید کو خوش آوازی کے ساتھ پڑھنا چاہیے۔ لیکن راگ اور نوحہ کی آواز بنا کر قرآن پڑھنے کی سخت ممانعت ہے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اقرءوا القرآن بلحون العرب وأصواتها وإياكم ولحون أهل العشق ولحون أهل الكتابين وسيجيء بعدي قوم يرجّعون بالقرآن ترجيع الغناء والنوح لايجاوز حناجرهم، مفتونة قلوبهم وقلوب الذين يعجبهم شأنهم. (امام طبرانی، المعجم الاوسط۔ 7223)

[ترجمہ: تم قرآن کریم اہل عرب کی طرح اور ان کی آوازوں کے مطابق پڑھو۔ اہل عشق اور اہل کتاب کی طرز کے مطابق پڑھنے سے بچو۔ میرے بعد ایک جماعت پیدا ہوگی جس کے افراد راگ اور نوحہ کی طرح آواز بنا کر قرآن پڑھیں گے، ان کا حال یہ ہوگا کہ قرآن ان کی حلق سے آگے نہیں بڑھے گا، نیز ان کی قراءت سن کر خوش ہونے والوں کے دل فتنے میں مبتلا ہوں گے۔]

ممتاز محقق و شارح حضرت ملا علی قاری علیہ الرحمہ "مرقاۃ المفاتیح" اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ قرآن مجید کو اہل عرب کی طرز اور ان کی آوازوں کے مطابق پڑھنے کا مطلب یہ ہے کہ مدّات و سکنات کی ادائیگی میں کسی تکلف کو راہ نہ دی جائے۔ اور اہل عشق سے مراد اہل فسق ہیں۔ اور اہل کتاب سے مراد اربابِ کفر یہود و نصاریٰ ہیں، فإن من تشبّه بقوم فهو منهم. (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح)

نعت خوانی روح کی تسکین کا سامان ہے جس میں فقط سادگی، سنجیدگی اور خوش الحانی کی گنجائش ہے۔ امامِ نعت گویاں امام احمد رضا قادری بریلوی علیہ الرحمہ آدابِ نعت خوانی سے متعلق لکھتے ہیں: "(نعت) سادہ، خوش الحانی کے ساتھ ہو۔" نعت خوانی نفس کی تسکین کا سبب ہرگز نہیں جیسا کہ کور مغزوں نے سمجھ رکھا ہے۔ یہ درحقیقت روح کی غذا ہے۔ فتاویٰ رضویہ میں امام اہل سنت ایک جگہ رقم طراز ہیں:

"غذائے روح وہ ہے جس کی طرف شریعت محمدیہ علیٰ صاحبہا والہ افضل الصلوٰۃ والتحیۃ بلاتی ہے اور جس کی طرف شریعت مطہرہ بلاتی ہے اس پر وعدۂ جنت ہے اور جنت ان چیزوں پر موعود ہے جو نفس کو مکروہ ہیں۔ اور غذائے نفس وہ ہے جس سے شریعت محمدیہ صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہ والہ منع فرماتی ہے اور جس سے شریعت کریمہ منع فرماتی ہے اس پر وعیدِ نار ہے اور نار کی وعید ان چیزوں پر ہے جو نفس کو مرغوب ہیں۔"

(۶) آلاتِ موسیقی کے استعمال سے گریز:

نعت خوانی میں پاکیزہ ترنم اور اچھی آواز ضرور ہونی

چاہیے لیکن مزامیر اور موسیقی کے آلات کا استعمال ہرگز نہ ہو۔ ابو امامہ باہلی سے مروی ایک حدیث میں سرکار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

إن الله تعالیٰ بعثنی رحمة للعالمين وهدی للعالمين وأمرنی ربی بمحق المعازف والمزامير.

(مسند امام احمد۔22307)

[ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے سب جہان والوں کے لیے رحمت وہدایت بنا کر بھیجا اور میرے رب نے مجھے باجوں اور مزامیر (آلاتِ موسیقی) کو مٹانے کا حکم دیا۔]

اس لیے موجودہ عہد کے علما و مفتیان کرام نے فتویٰ دیا کہ گانے کی طرز پر نعت پڑھنا، سننا جائز نہیں ہے۔ یوں ہی آلاتِ موسیقی کا استعمال بھی ممنوع ہے۔ نعت میں دلکشی پیدا کرنے کے لیے بعض نعت خواں ذکرِ خدا کو بطور بیک گراؤنڈ استعمال کرتے ہیں، اس سے بھی اکابر علمانے منع فرمایا ہے۔ نعت خوانی میں آلاتِ لہو ولعب اور مزامیر وغیرہ بالکل نہ شامل کیے جائیں۔ ان چیزوں کا استعمال تو کہیں بھی جائز نہیں ہے۔ نعت خوانی ایک بابرکت شغل ہے یہاں ان کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہے۔ (ملاحظہ فرمائیں: فتاویٰ رضویہ مترجم، ص:79، ج:24)

البتہ دف کا استعمال خوشی کے مواقع پر جائز ہے، اس کا حکم عام آلاتِ لہو ولعب جیسا نہیں۔ دف کے استعمال کے جواز کی شرطوں پر امام احمد رضا قادری بریلوی قدس سرہ رقم طراز ہیں:

"اوقاتِ مسرور میں دف جائز ہے بشرطے کہ اس میں جلاجل یعنی جھانج نہ، نہ وہ موسیقی کے تان سر پر بجایا جائے، ورنہ وہ بھی ممنوع۔" (فتاویٰ رضویہ مترجم، ص:37، ج:25)

(۷) فاسق وفاجر سے نعت خوانی نہ کرائی جائے:

نعت خوانی ایک شرعی اور بابرکت عمل ہے۔ جب کوئی مسلمان آدابِ شرع کا لحاظ کرتے ہوئے نعت پڑھتا ہے تو سامعین کے دلوں میں اس کا وقار بڑھتا ہے اور جذبۂ اکرام بھی پیدا ہوتا ہے۔ اس لیے نعت خواں کا پابندِ شرع اور مؤدب ہونا ضروری ہے۔ فسق وفجور کا مرتکب اس منصب کا قطعاً حق دار نہیں۔ وہ تو لائق ملامت اور مستحق اہانت ہے، نہ کہ قابل عزت وتکریم۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری سے سوال ہوا کہ جو شخص شریعت مطہرہ کا مخالف مثلاً تارک الصلوٰۃ، شاربِ خمر، داڑھی منڈانے یا کتروانے والا، موضوع روایات کے ساتھ نعت خوانی کرتا ہو۔ ایسے شخص کا اسٹیج پر بیٹھ کر نعت خوانی کرنا یا بانی محفل ومجلس وحاضرین وسامعین کا ایسے شخص کو خوش آوازی کی وجہ سے چوکی پر بٹھانا کیسا ہے؟ تو جواباً تحریر فرمایا:

"مذکورہ بالا افعال سخت کبائر ہیں۔ ان کا مرتکب فاسق وگناہ گار، غضب الٰہی کا سزاوار ہے۔ خوش آوازی کی وجہ سے اسے منبر ومسند پر تعظیماً بٹھا کر نعت پڑھوانا حرام ہے۔ ان حاضرین ومیلاد خواں سبھی کا گناہ بانی محفل پر ہے۔" (ایضًا)

منتظمین جلسہ پر لازم ہے کہ وہ شریعت کا پابند خطیب مدعو کریں اور باشرع نعت خواں بھی، فقط شہرت یافتہ اور خوش آواز نعت خواں یا شاعر نہ بلائے جائیں۔ یہ مذہبی جلسوں کے تقدس کو پامال کرنا ہے جس کی اجازت قطعی طور پر نہیں دی جا سکتی۔

(۸) آدابِ بزمِ نعت:

اخیر میں بزم نعت کے چند آداب ملاحظہ فرمائیں:

(۱) نعت خواں کو باوضو ہو کر نعت خوانی کرنی چاہیے۔

(۲) بزمِ نعت کے شرکا وحاضرین بھی باوضو شریک محفل ہوں۔

(۳) سب کے سروں پر ٹوپیاں سجی ہوں۔

(۴) بزم نعت میں سب لوگ مؤدب اور پُر وقار بیٹھیں۔

(۵) انتہائی سنجیدگی اور خوش دلی کے ساتھ نعتیں سنی جائیں۔

(۶) نعت خواں کو انعام دینا ہو تو نمائش نہ کی جائے۔

(۷) انعام کی رقم خاموشی کے ساتھ اس کے ہاتھوں میں دی جائے۔

(۸) نوٹ اچھالنے اور لٹانے سے سخت احتراز کیا جائے۔

▪▪▪

نقد و نظر

حضرت نوح علیہ السلام کا اسلوب دعوت و تبلیغ

تبصرہ نگار: مفتی محمد اعظم مصباحی مبارک پوری

اللہ تبارک و تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت و رہنمائی کے لیے کم و بیش ایک لاکھ 24 ہزار انبیاے کرام دنیا میں مبعوث فرمائے، انھوں نے اللہ کا پیغام دنیاوالوں تک پہنچایا، کفر و شرک کی بندشوں میں پھنسی ہوئی انسانیت کو راہ نجات دکھائی، بہت سے لوگ ان کے دامن کرم سے وابستہ ہوکر سعادت ابدی سے مشرف ہوئے اور کتنوں نے ان کی تکذیب کی، ہدایت و سعادت کے بدلے ضلالت و گمراہی کا بے سود سودا کیا اور شقاوت ازلی کے قعرِ مذلت میں جاگرے۔

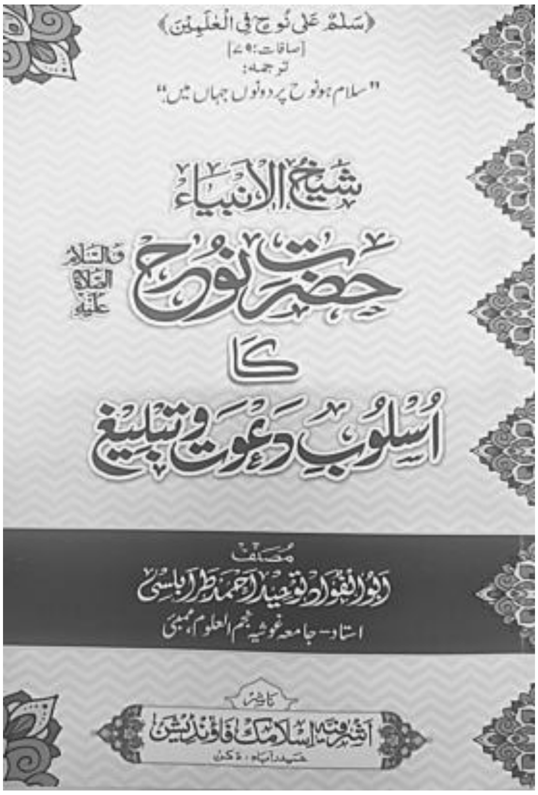

انہی انبیاے کرام میں بابرکت نام شیخ الانبیا سیدنا نوح علیہ الصلاۃ والسلام کا بھی ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کے بعد آپ پہلے نبی ہیں، جنھیں رسالت عطا ہوئی۔ قرآن مجید کی متعدّد سورتوں میں آپ کا تذکرہ ہے اور قرآن مجید کی ایک سورت آپ کے نام پر ہے۔ آپ نے ساڑھے نو سو سال تک اپنی قوم کی اصلاح فرمائی، انھیں رب کی توحید اور اپنی رسالت پر ایمان کی دعوت دی، کفر و شرک اور ذلالت و گمراہی کے بھیانک انجام سے آگاہ فرمایا، قیامت اور جہنم کے عذاب سے خوف دلایا، ہر طریقے سے ان کی خیر خواہی کی لیکن آپ کی تبلیغ سے چند لوگ ایمان لائے اور اکثر لوگوں نے اپنے اس مصلح کی اصلاح سے منہ موڑا، آپ کی تکذیب کی، مصائب و آلام کے پہاڑ توڑے، ایذا رسانی میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کیا۔ جب ان کی سرکشی حد سے بڑھ گئی تو طوفان نوح کی شکل میں عذاب آیا اور پوری نافرمان قوم ہلاک و برباد کردی گئی۔

قرآن کریم میں حضرت نوح علیہ السلام کی تبلیغ، آپ کی قوم کی تمرد و سرکشی اور ان کی ہلاکت و بربادی کے قصے مختلف سورتوں میں مذکور ہیں۔

اسی جلیل القدر اور اولواالعزم پیغمبر کی حیات اور دعوت و تبلیغ کے اسلوب پر اردو زبان میں ایک کتاب اشرفیہ

اسلامک فاؤنڈیشن حیدرآباد نے شائع کی ہے۔ اشرفیہ اسلامک فاؤنڈیشن کے روح رواں محترم جناب مولانا بشارت علی صدیقی ہیں جو خود ایک اچھے قلم کار، کامیاب ترجمہ نگار و مصنف ہیں، خود بھی علمی و تحقیقی موضوعات پر خامہ فرسائی کرتے ہیں اور اہل علم سے دینی و فکری موضوعات پر کتابیں تصنیف کرواتے ہیں۔ اسی سلسلے کی ایک کڑی یہ کتاب بھی ہے۔ اس کتاب کے مصنف مولانا توحید احمد طرابلسی ہیں، یہ جامعہ غوثیہ نجم العلوم ممبئی کے مدرس ہیں، کئی ایک کتابوں کے مصنف و مرتب، اچھے قلم کار اور صاحب طرز مقالہ نگار ہیں۔

موصوف کی یہ کتاب بیش قیمتی معلومات اور اچھوتے مضامین پر مشتمل ہے۔ خود مرتب کتاب لکھتے ہیں:

”زیر نظر کتاب ابن آدم کی طرف مبعوث ہونے والے پہلے رسول، آدم ثانی، سید الانبیا حضرت نوح علیہ الصلاۃ والسلام سے متعلق ہے، اس کتاب میں حتی الامکان ان خطوط کی نشان دہی کی سعی کی گئی ہے، جس پر آپ نے اپنی دعوتی تبلیغی سرگرمیوں کی بنیاد رکھی اور اس پر تاحیات کاربند رہے، آپ کے یہ دعوتی نقوش آج بھی داعیان اسلام کے لیے مشعل راہ ہیں۔“ (ص:27)

مندرجہ ذیل چھ ابواب کو کتاب محیط ہے:

باب اول: حیات شیخ الانبیاء۔

باب دوم: حضرت نوح علیہ السلام کا مقصد بعثت۔

باب سوم: حضرت نوح علیہ السلام کی داعیانہ صفات۔

باب چہارم: قوم نوح اپنی صفات ذمیمہ کے آئینے میں۔

باب پنجم: اہل خانہ کی بے وفائی۔

باب ششم: حضرت نوح علیہ السلام کا اسلوب دعوت و تبلیغ۔

شروع کے صفحات میں جناب بشارت صدیقی اور دیگر علمائے کرام کے تاثرات و تقریظات شامل ہیں، پہلے باب میں سیدنا نوح علیہ السلام کے سلسلۂ نسب، نام، لقب، قرآن کی متعدّد سورتوں میں آپ کا تذکرہ، زمانۂ بعثت، مدت دعوت احکام، وصیت، دیگر مذہبی کتابوں میں آپ کا تذکرہ، کشتی نوح کا تذکرہ اور اس پر ہونے والے اعتراضات اور ان کے جواب، اولاد، مدفن وغیرہ عناوین کے تحت بڑی تحقیقی گفتگو سپرد قرطاس کی ہے۔

جیسا کہ اوپر کی سطور میں معلوم ہوا کہ سیدنا نوح علیہ السلام نے ساڑھے نو سو سال تک اپنی قوم کے درمیان دعوت و تبلیغ کا فریضہ انجام دیا لیکن قوم آپ پر ایمان لانے کے بجائے طغیانی و سرکشی میں مزید حد سے تجاوز کرتی رہی تو ان پر طوفان کی شکل میں ایک عذاب آیا جس کے سبب وہ ہلاک و برباد ہو گئے۔ آپ کے ساتھ جو اہل ایمان تھے ان کو طوفان اور عذاب سے بچانے کے لیے آپ نے اللہ کے حکم سے ایک کشتی بنائی، اس کشتی کے حوالے سے بعض مادہ پرستوں اور روشن خیالوں نے بے جا اعتراضات کیے۔ فاضل مرتب نے ان کے شبہات اور قرآنی آیات کی روشنی میں ان کا جواب بہترین انداز میں قلم بند فرمایا ہے، آئیے انہی کی زبانی اسے ملاحظہ کریں:

کشتی نوح-شبہات کا جواب: ۱۹۷۷ء میں ترکی کے اس پہاڑ پر کچھ مہم جوؤں نے اس کشتی کو دریافت کیا، اخبارات میں اس کی تصاویر شائع ہوئیں، اہل دیانات سماویہ اور ملحدین کے درمیان ایک نئی بحث چھڑ گئی، ملحدین اور روشن خیالوں نے اس پر چار بڑے اعتراض اٹھائے، حالاں کہ فرقان حمید میں ان کے تمام اعتراضات کا جواب پہلے سے ہی موجود ہے۔

پہلا اعتراض: بغیر کسی ٹیکنالوجی کے چھ ہزار سال قبل ایسی عظیم الشان کشتی بنانا کیسے ممکن ہوا، جو اتنا وزن اٹھا کر لمبے عرصے تک سمندر میں سفر کرتی رہی؟

جواب: وَحَمَلْنَاهُ عَلَىٰ ذَاتِ أَلْوَاحٍ وَدُسُرٍ ‎۔

[سورت قمر:13]

ترجمہ: ”اور ہم نے اسے تختوں اور کیلوں والی (کشتی) پر سوار کیا۔“

تحقیق کے بعد اس کشتی سے دھاتی کیلوں اور تختوں کے

آثار ملے ہیں، کیلوں اور تختوں کی وجہ سے ہی یہ ممکن ہوا، اللہ جل شانہ نے حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس کا علم عطا فرما دیا تھا۔

دوسرا اعتراض: اس زمانے میں اتنی بڑی کشتی کیسے بنائی جا سکتی تھی، جس میں دنیا بھر کے جانوروں کے جوڑے سوار ہوئے؟

جواب: ”حَتّٰۤی اِذَا جَآءَ اَمۡرُنَا وَ فَارَ التَّنُّوۡرُ ۙ قُلۡنَا احۡمِلۡ فِیۡہَا مِنۡ کُلٍّ زَوۡجَیۡنِ اثۡنَیۡنِ وَ اَہۡلَکَ اِلَّا مَنۡ سَبَقَ عَلَیۡہِ الۡقَوۡلُ وَ مَنۡ اٰمَنَ ؕ وَ مَاۤ اٰمَنَ مَعَہٗۤ اِلَّا قَلِیۡلٌ۔

[سورت الذاریات:40]

ترجمہ: حتیٰ کہ جب ہمارا حکم آیا اور تنور بہ پڑا، ہم نے حکم دیا کہ سفینہ میں ہر نر اور مادہ کے ایک جوڑے کو سوار کر لیں اور اپنے اہل خانہ کو، انھیں چھوڑ کر جن کا فیصلہ ہو چکا اور جو ایمان لائے اور نہیں ایمان لائے آپ پر مگر چند لوگ۔“

یعنی: یہ کشتی کوئی عام کشتی نہیں تھی، بل کہ یہ بہت ہے، بڑی اور لمبی چوڑی تھی، یہ تین منزلہ پر مشتمل تھی، جس میں پچیس ہزار جانوروں کی گنجائش موجود تھی، اس لیے اتنے جانوروں کا سما جانا بالکل قرین قیاس ہے۔

تیسرا اعتراض: اتنی بڑی کشتی اتنے عظیم طوفان میں بغیر لنگر کے کیسے تیر سکتی ہے؟

جواب: وَقَالَ ارۡکَبُوۡا فِیۡہَا بِسۡمِ اللّٰہِ مَجۡرٖىہَا وَ مُرۡسٰىہَا ؕ [سورت ہود:41]

ترجمہ: اور نوح نے کہا: سفینہ میں سوار ہو جاؤ، اللہ کے نام سے اس کا چلنا ہے اور اس کا لنگر انداز ہونا ہے، بے شک میرا پالنہار بہت زیادہ بخشنے والا ارحم کرنے والا ہے۔

حیرت انگیز طور پر جس پہاڑ پر یہ کشتی ٹھہری ہے، اس کے نیچے وادی میں چٹانوں کے نیچے بڑے بڑے لنگر دریافت ہوئے ہیں، وہ اسی کشتی کے لنگر ہیں۔

چوتھا اعتراض: ایک لکڑی کی کشتی اتنے لمبے عرصے تک ایک پہاڑ کی چوٹی پر کیسے باقی رہی؟

جواب: وَلَقَدۡ تَّرَکۡنٰہَاۤ اٰیَۃً فَہَلۡ مِنۡ مُّدَّکِرٍ ۔

[سورت قمر:15]

ترجمہ: اور تحقیق کہ ہم نے انھیں چھوڑ دیا نشانی بنا کر تو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے؟

حالیہ تحقیق سے پتہ چلتا ہے، اس پورے پہاڑی سلسلے میں صرف اس پہاڑ کی چوٹی پر برف ہے، جہاں یہ کشتی ہے، برف کی وجہ سے یہ کشتی محفوظ رہی۔ (ص:58-56)

دوسرے اور تیسرے باب میں مصنف نے سیدنا نوح علیہ السلام کی بعثت کے مقصد اور آپ کی داعیانہ صفات و خصائص کو قرآنی آیات کی روشنی میں بہترین انداز میں تحریر کیا ہے۔

باب چہارم اور پنجم میں قوم اور اہل خانہ کی سرکشی، بے وفائی اور ایذا رسانی کی داستانیں قرآن و حدیث اور تفاسیر کی روشنی میں رقم کی ہیں۔

آخری باب کا عنوان کچھ اس طرح ہے: ”حضرت نوح علیہ السلام کا اسلوب دعوت و تبلیغ“۔ اس سرخی کے ضمن میں خاص طور پر حضرت نوح علیہ السلام کی مزاج شناسی، بشارت، ترغیب، ترہیب اور تفکر کے حوالے سے بڑے معلوماتی گفتگو پیش کرنے کی سعادت حاصل کی ہے۔

کتاب کے آخر میں مرتب کی حیات کا اجمالی خاکہ اور اشرفیہ اسلامک فاؤنڈیشن کی مطبوعات کے ساتھ ساتھ کتاب ہذا کی فہرست بھی شامل ہے۔ کتاب کا ٹائٹل عمدہ اور دیدہ زیب ہے۔ کتاب میں پروف کی کچھ غلطیاں بھی در آئی ہیں، اگر قرآنی آیات کی کتابت میں سارے مقامات پر رسم عثمانی کی رعایت ہو جاتی تو بہتر ہوتا۔

بہر کیف پوری کتاب لائق مطالعہ ہے۔ حضرت نوح کی سیرت و کردار پر مطالعہ کرنے والوں کے لیے ایک بہترین گلدستہ ہے، زبان اور بیان شستہ سلیس اور انداز دلنشین ہے، اللہ تعالی مرتب و ناشر کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین۔ ٭٭٭

صدائے بازگشت

اجمیر میں اردو میڈیم اسکولوں کی ہندی میڈیم میں تبدیلی

مکرمی! اجمیر کے آٹھ اردو میڈیم اسکولوں کو ہنڈی میڈیم میں تبدیل کیا جانا شرم ناک اور اردو کے ساتھ عصبیت کی علامت ہے۔ اردو اخبار انقلاب کے ذریعہ یہ جانکاری ملی کہ بیکانیر کے سیکنڈری ایجوکیشن ڈپارٹمنٹ نے 17 جنوری 2025 کو اجمیر کے مسلم علاقوں کے کئی اردو میڈیم اسکولوں کو ہنڈی میڈیم میں تبدیل کر دیا ہے، یہ خبر نہایت ہی افسوس ناک اور تکلیف دہ ہے اردو زبان بھارت کی اپنی زبان ہے، ملک کے مسلم غیر مسلم سب نے مل کر اس زبان کی آب یاری کی ہے، منشی پریم چند سے لے کر کرشن چندر، پنڈت رتن ناتھ سرشار، رگھوپتی سہائے فراق گورکھپوری، پنڈت دیا شنکر نسیم، جیسے سیکڑوں غیر مسلوں کی امانت اردو زبان ہے، راجستھان کو چاہیے تھا کہ اپنے ملک کی اس پیاری زبان کے فروغ دینے میں تن من دھن کی بازی لگاتے اور اپنی اس تہذیب کو مٹانے کی کوشش کے بجائے باقی رکھنے کو ملک کا سرمایۂ افتخار سمجھتے، مگر اس عصبیت کا کیا کیا جائے جو ان کے رگ وپے میں خون کی طرح دوڑ رہی ہے، ہم اس روز نامہ انقلاب کے ذریعہ راجستھان حکومت کے اس فیصلے پر شدید ناراضگی کا اظہار کرتے ہیں اور اس فیصلے پر نظر ثانی کی اپیل کرتے ہیں۔

از: محمد شہروز کٹیہاری، موہنا، چوکی، کدوا، کٹیہار بہار

افواہوں کا دور خطرے کی گھنٹی

مکرمی! افواہوں کا دور ہمارے معاشرے میں ایک ناگوار حقیقت بن چکا ہے۔ اس دور کی خصوصیت یہ ہے کہ افواہیں بغیر کسی تحقیق کے تیزی سے پھیلائی جاتی ہیں اور سمجھ دار افراد بھی انہیں بغیر سیاق و سباق کے قبول کر لیتے ہیں۔ ان حالات میں افواہ کا توانا نظام معاشرے میں تفرقہ وانتشار کا باعث بنتا ہے۔

افواہ ایسی غلط یا ادھوری معلومات ہے جو تحقیق کے بغیر تیزی سے پھیل جائے۔ افواہیں عام طور پر سیاسی، سماجی، اور فردی شخصیات کے متعلق ہوتی ہیں۔ ان افواہوں کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ یہ اکثر مزاحیہ یا تلخ و شریر الفاظ کی شکل میں پھیلائی جاتی ہیں۔

ایک لمحے میں معلومات کو شیئر کرنے کا رجحان فردی سطح پر سوچ و بچار کے بغیر افواہوں کے پھیلاؤ میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ افراد بغیر حقائق معلوم کیے افواہوں پر اعتماد کر لیتے ہیں۔ افراد یا تنظیمیں مخالفین کو نقصان پہنچانے کے لیے افواہوں کا سہارا استعمال کرتے ہیں۔

الفاظ کے اثرات پر غور کریں: ایک حدیث شریف میں ہے: ”جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو، وہ اچھی بات کہے یا خاموش رہے۔“ (بخاری و مسلم) یہ حدیث ہمیں سکھاتی ہے کہ ہر بات کہنے سے پہلے سوچنا چاہیے کہ یہ بات کس قدر مفید یا نقصان دہ ہو سکتی ہے۔

قرآن کریم میں فرمایا گیا: اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمھارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو تحقیق کر لو، ایسا نہ ہو کہ تم کسی قوم کو نقصان پہنچا بیٹھو اور پھر اپنے کیے پر نادم ہو۔ (الحجرات:6)

اس آیت کا مقصد ہمیں جھوٹی خبروں کے اثرات سے

بچانا ہے۔افواہوں کے پھیلاؤ کو روکنے کے لیے ہمیں اپنی زندگی میں سچائی اور دیانت داری کو شامل کرنا ہوگا۔ سچائی ایک ایسی صفت ہے جو معاشرے کو مضبوط اور پائیدار بناتی ہے۔لوگوں کو آگاہ کیا جائے کہ افواہوں کے نتائج کتنے خطرناک ہوسکتے ہیں۔

افواہوں کی معاشرے پر منفی تاثیرات سے بچنے کے لیے فردی اور اجتماعی طور پر ذمہ دارانہ رویہ اپنانا بہت ضروری ہے۔ اگر ہم قرآن و سنت کی تعلیمات کو اپنی زندگیوں میں شامل کریں اور سچائی کو اپنا شعار بنائیں تو افواہوں کا یہ سلسلہ رک سکتا ہے۔

از: **ڈاکٹر ظہور احمد دانش**، دوتھلہ نکیال آزاد کشمیر

دنیا ایک جنگ کا میدان

مکرمی! یہ دنیا ایک لامتناہی جنگ کے میدان کی مانند ہے، مگر یہ جنگ نظر نہیں آتی۔یہاں کوئی تلوار نہیں چلتی، کوئی خون نہیں بہتا، مگر ایک انسان اپنے اندر روزانہ ایک عظیم معرکے کا سامنا کرتا ہے۔یہ جنگ انسان کے دل و دماغ کے اندر بستی ہے، جہاں خیالات، خواہشات اور خوف ایک دوسرے کے مقابلے میں کھڑے ہیں، اور ہر لمحہ ان کی لڑائی کا نتیجہ انسان کی تقدیر کا فیصلہ کرتا ہے۔

خیالات، جیسے آسمان پر بکھرے بادل، کبھی خوشبوؤں کی طرح دل میں اُترتے ہیں، کبھی طوفان بن کر دماغ کو گہرائی میں لے جاتے ہیں۔کچھ خیالات چمکتے ہوئے ستاروں کی مانند دل کو روشن کرتے ہیں، اور کچھ گھٹائیں بن کر آسمان پر چھا جاتے ہیں، دل میں یکدم اندھیرا کر دیتے ہیں۔انسان ان خیالات میں غرق ہوتا ہے، جیسے دریا کی گہرائی میں غوطہ لگا کر انسان اپنے آپ کو ڈوبتا ہوا پاتا ہے، نہ اُوپر جا سکتا ہے نہ نیچے جا سکتا ہے۔ان خیالات کی چمک سے وہ کبھی اپنی منزل سے دور اور کبھی خود سے بیگانہ ہو جاتا ہے۔

پھر آتی ہیں خواہشات، جنہیں ایک ہی لمحے میں پورا کرنے کی آرزو انسان کے دل میں مچلتی رہتی ہے۔یہ خواہشات کسی خزانے کی طرح دل میں دبی ہوتی ہیں، جو لمحوں کے ساتھ گہری ہوتی جاتی ہیں۔وہ خواب جو ایک وقت میں خوشبو کی طرح دل کو لبھاتے ہیں، اب اس کی روح میں آگ سی لگاتی ہیں۔یہ خواہشات انسان کو اُس لمحے کے لیے اپنے آپ سے بیگانہ کر دیتی ہیں، جیسے کبوتر کو پنجرے کی سلاخوں کے سامنے رکھ کر اُڑنے کی آرزو میں مچلتا ہوا پانے جاتے ہیں۔مگر جب تک وہ آزاد نہیں ہو پاتا، اُسے اپنی آزادی کا ادراک نہیں ہوتا۔

اور ان سب کے درمیان خوف کا سایا۔ خوف، جو اندھیروں کی طرح انسان کے ساتھ چمٹ کر چلتا ہے، جیسے رات کی خاموشی میں کوئی خالی نظر آتی آنکھ آپ کو گھورتی ہو۔یہ خوف کبھی کھلے منظر میں آتا ہے، کبھی دل کی گہرائیوں میں چھپ کر بیٹھتا ہے، اور ہر لمحہ انسان کو اپنے خوف سے بھاگتے رہنے پر مجبور کرتا ہے۔

یہ داخلی جنگ ایک معرکہ ہے جس میں انسان خود کو جاننے اور پہچاننے کی کوشش کرتا ہے۔ جب خیالات، خواہشات اور خوف کے بیچ ایک انسان اپنی تقدیر کا فیصلہ کرتا ہے، تو وہ دراصل اپنے اندر کے راز کو جاننے کی کوشش کر رہا ہوتا ہے۔یہ جنگ کبھی ختم نہیں ہوتی، یہ محض ایک مرحلہ ہوتا ہے، ایک لمحہ، جب انسان اپنے خوف کو شکست دے کر اپنی اصل طاقت کو پہچانتا ہے۔

اور جب انسان اس جنگ میں کامیاب ہو جاتا ہے، تو وہ نہ صرف اپنے اندر کی طاقت کو پہچانتا ہے، بلکہ اُس دنیا کے مقابلے میں بھی ایک فاتح بن کر اُٹھتا ہے، جو کبھی اُسے خوف میں مبتلا کر دیتی تھی۔وہ چاندنی رات میں، جب ساری دنیا ساکت ہو، اپنی جیت کی روشنی میں چمکتا ہے، جیسے رات کے اندھیروں میں چمکنے والا ایک روشن ستارہ۔

از: **محمد شاہد رضا نعمانی**

نوٹ: اہلِ قلم حضرات! ماہ نامہ اشرفیہ میں اشاعت کے لیے مضامین ای میل ایڈریس:
ashrafiamonthly@gmail.com
پر۔یا وہاٹس ایپ نمبر
9235647041 پر ارسال فرمائیں۔(ادارہ)

فلسطینیوں کے انخلا کے منصوبہ کے خلاف احتجاج

مصر کے صدر عبدالفتاح السیسی نے بدھ کو اس خیال کو مسترد کر دیا تھا کہ مصر غزہ کے فلسطینیوں کی نقل مکانی میں سہولت فراہم کرے گا اور کہا تھا کہ مصری اپنی ناراضگی کا اظہار کرنے کے لیے سڑکوں پر نکلیں گے۔ مصر کے ہزاروں شہریوں نے رفح بارڈر کراسنگ پر امریکی صدر ڈونالڈ ٹرمپ کی غزہ سے فلسطینیوں کے نسلی انخلا کی تجویز کے خلاف احتجاج کیا جس میں ٹرمپ نے مصر اور اردن سے محصور غزہ کے فلسطینیوں کو اپنے علاقہ میں بسانے کا مطالبہ کیا ہے۔ جمعہ کو مظاہروں کے درمیان شہریوں نے فلسطینی پرچم لہرا کر احتجاج کیا۔

دوسری طرف، امریکی صدر اپنے مطالبہ پر قائم ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ مصر اور اردن، اس مطالبہ کی تعمیل کریں گے۔ ٹرمپ نے سنیچر کو بیان دیا کہ مصر اور اردن کو غزہ سے فلسطینیوں کو لے جانا چاہیے اور اپنے ملک میں بسانا چاہیے۔

اس سے قبل، جمعرات کو ٹرمپ نے مصر اور اردن دونوں کو فوجی امداد سمیت وافر امریکی امداد کا حوالہ دے کر کہا کہ امریکہ دونوں ممالک کے لیے بہت کچھ کرتا ہے اور اب وہ اس مطالبہ پر عمل کریں گے۔ مصر اور اردن کے امریکی مطالبہ کو ماننے سے انکار کرنے کے بعد جمعرات کو اوول آفس میں صحافیوں نے ٹرمپ سے ان کا ردعمل دریافت کیا اور پوچھا کہ کیا وہ دباؤ ڈالنے کے لیے کسی ملک پر محصولات عائد کرنے پر غور کر رہے ہیں، تو انھوں نے زور دیا کہ وہ (دونوں ممالک) اس منصوبہ پر عمل کریں گے .ہم ان کے لیے بہت کچھ کرتے ہیں، اور وہ یہ کریں گے۔

فلسطینی قیادت نے بھی غزہ سے فلسطینیوں کو نکالنے کی ہر تجویز کو سختی سے مسترد کر دیا ہے کیوں کہ انہیں امید ہے کہ غزہ ایک آزاد فلسطینی ریاست کا حصہ ہوگا۔ اکتوبر 2023 میں غزہ جنگ شروع ہونے کے بعد کئی پڑوسی عرب ریاستوں نے اس منصوبے کو متعدّد دفعہ مسترد کیا ہے۔ اردن نے پہلے ہی لاکھوں بے گھر فلسطینیوں کو پناہ دی ہے جب کہ مصر میں بھی دسیوں ہزار فلسطینی پناہ گزین ہیں۔

جنگ کے مقاصد سے کوسوں دور اسرائیل

1 فروری-اسرائیل کے دی لازار انسٹی ٹیوٹ کے سروے میں انکشاف کیا گیا ہے کہ ”صرف 517 اسرائیلی (4 فیصد) کا ماننا ہے کہ اسرائیل نے غزہ میں جنگ کے اپنے تمام مقاصد حاصل کر لیے ہیں جب کہ 32 اسرائیلیوں کا یہ ماننا ہے کہ اسرائیل جنگ کے اپنے مقاصد حاصل کرنے میں پوری طرح ناکامیاب ہوا ہے۔“

جمعہ کو جاری ایک عوامی رائے میں یہ انکشاف ہوا کہ ”دسیوں ہزاروں بے گھر فلسطینیوں کے شمالی غزہ لوٹنے کے باوجود صرف 4 فیصد اسرائیلی یہ مانتے ہیں کہ اسرائیل نے غزہ میں ”اسرائیلی جنگ“ کے مقاصد حاصل کر لیے ہیں۔“ دی لازار انسٹی ٹیوٹ کی جانب سے کیا گیا یہ سروے اسرائیلی ڈیلی ماریو نے شائع کیا ہے جس میں انکشاف کیا گیا ہے کہ 517 اسرائیلیوں کا ماننا ہے کہ اسرائیل نے غزہ جنگ کے اپنے مقاصد حاصل کر لیے ہیں۔ سروے میں جب لوگوں سے یہ پوچھا گیا کہ ”کیا اسرائیل نے جنگ کے اپنے مقاصد حاصل کر لیے؟“ تو 4 فیصد جواب دہندگان نے کہا

کہ "اسرائیل نے اپنے تمام مقاصد حاصل کر لیے ہیں، 57 فیصد نے کہا ہے کہ "اسرائیل نے جنگ کے اپنے پورے مقاصد حاصل نہیں کیے ہیں اور 32 فیصد اسرائیلیوں کا یہ ماننا ہے کہ "اسرائیل جنگ کے اپنے مقاصد حاصل کرنے میں پوری طرح ناکامیاب ہوا ہے۔ 7 فیصد افراد نے کہا ہے کہ وہ نہیں جانتے کہ آیا اسرائیل اپنے مقاصد حاصل کرنے میں کامیاب ہوا ہے یا ناکامیاب۔"

لبنان پر صیہونی جارحیت پر عالمی خاموشی کی مذمت

2 فروری-لبنان کے رکن پارلیمنٹ ابراہیم الموسوی نے اپنے ملک کے خلاف صیہونی حکومت کی مسلسل جارحیت اور اس پر عالمی برادری کی خاموشی پر کڑی نکتہ چینی کرتے ہوئے لبنانی حکومت سے اس کا ٹھوس مقابلہ کرنے کا مطالبہ کیا ہے۔

حالیہ ہفتوں میں اسرائیلی حکومت نے بار بار جنگ بندی معاہدے کی خلاف ورزی کرتے ہوئے لبنان کے مختلف علاقوں پر فضائی حملے کیے ہیں۔ دو روز قبل بھی صیہونی ٹولے نے بمباری کر کے دو لبنانیوں کو شہید اور آٹھ کو زخمی کر دیا تھا۔ خاص طور پر بقاع کے علاقے میں صیہونی ٹولے کے اقدامات نے وہاں کے مقامی شہریوں کے تحفظ اور لبنان کی خود مختاری کے بارے میں سخت خدشات کو جنم دیا ہے۔ اسی تناظر میں لبنانی پارلیمنٹ میں حزب اللہ لبنان کے نمائندے ابراہیم الموسوی نے شدید ردعمل کا اظہار کرتے ہوئے حکومت اور عالمی برادری سے سنجیدہ اقدام کا مطالبہ کیا ہے۔ خیال رہے کہ صیہونی حکومت کے لبنان پر بار بار حملے جنگ بندی معاہدے اور اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کی قرارداد 1701 کی صریح خلاف ورزی شمار ہوتے ہیں۔

برطانیہ میں نیا بلڈ گروپ دریافت

1 فروری-موصولہ رپورٹ کے مطابق برطانیہ کے علاقے جنوبی گلوسٹر شائر میں این ایچ ایس بلڈ اینڈ ٹرانسپلانٹ (NHSBT) کے سائنسدانوں کی قیادت اور برسٹل یونیورسٹی کے تعاون سے محققین کی ایک ٹیم نے ایم اے ایل (MAL) نامی ایک نیا بلڈ گروپ دریافت کر لیا ہے۔ رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ مذکورہ بالا پیش رفت نے اے این ڈبلیو جے (AnWj) نامی اینٹیجن سے جڑی ایک 50 سال پرانی پہیلی کو سلجھا لیا ہے جو پہلی بار 1972ء میں سائنس دانوں کی توجہ کا مرکز بنی تھی۔ رپورٹ کے مطابق سینئر سائنسدان لوئیس ٹیلی کی قیادت میں محققین کی ایک ٹیم نے اے این ڈبلیو جے (AnWj) اینٹیجن سے محروم مریضوں کی شناخت کے لیے ایک جینیاتی ٹیسٹ بھی تیار کیا ہے۔ رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ اس جینیاتی ٹیسٹ سے ایم اے ایل (MAL) بلڈ گروپ والے نایاب مریضوں کی بہتر دیکھ بھال ہو سکے گی اور ایسے خون کا عطیہ کرنے والوں کی تلاش میں سہولت فراہم کرے گی۔ لوئیس ٹیلی نے بی بی سی کو بتایا کہ ابھی اس ٹیسٹ سے مستفید ہونے والے لوگوں کی صحیح تعداد کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔

قرآن پاک کی بے حرمتی کرنے والا اپنے انجام کو پہنچا

30 جنوری۔ تسنیم نیوز ایجنسی کی رپورٹ کے مطابق، سویڈن کے ٹیلی ویژن چینل "SVT Nyheter" نے دعویٰ کیا ہے کہ سویڈن میں قرآن پاک کی بے حرمتی کے مرتکب سلوان مومیکا کو گولی مار کر ہلاک کر دیا گیا ہے۔

ذرائع کا کہنا ہے کہ فائرنگ سے ہلاک ہونے والا شخص سلوان مومیکا ہے۔ تاہم سٹاک ہوم پولیس نے ابھی تک اس شخص کی شناخت کے بارے میں معلومات جاری نہیں کیں۔ رپورٹس بتاتی ہیں کہ واقعہ کے وقت یہ شخص سوشل میڈیا پر لائیو سٹریمنگ کر رہا تھا تاہم سویڈش پولیس فی الحال اس کی نہ تو تصدیق کر رہی ہے اور نہ ہی تردید۔ واضح رہے کہ سویڈن اور ڈنمارک میں مقدس آسمانی کتاب قرآن مجید کی بار بار بے حرمتی کیے جانے پر عراق نے سخت ردعمل کا اظہار کرتے ہوئے گرین زون میں سویڈن کے سفارت خانے کو نذر آتش کر دیا تھا۔ ❋❋❋

خیر و خبر

ممبئی میں حضور عزیز ملت کا شان دار استقبال

جامعہ اشرفیہ مبارک پور کی تعمیر و ترقی کے لیے ابناے اشرفیہ ممبئی کی جانب سے ایک پروگرام بنام فروغ جامعہ اشرفیہ کانفرنس کے نام سے 14 جنوری 2025 فارچون ٹاور مصطفی بازار ممبئی میں انعقاد پذیر ہوا، اس موقع پر جامعہ اشرفیہ کے سربراہ اعلیٰ حضرت علامہ شاہ عبدالحفیظ قبلہ دامت برکاتہم القدسیہ نے فرمایا کہ علم کا سیکھنا ہر مسلمان پر فرض ہے، اور فرمایا العلم نور علم روشنی ہے جیسے کے آپ بخوبی جانتے ہیں قرآن کی سب سے پہلی آیت بھی علم کے تعلق سے تھی۔ الحمد اللہ جامعہ اشرفیہ دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ ایسی صلاحیت پیدا کرتا ہے کہ ادارہ سے فراغت کے بعد طالب علم کے لیے ہر قسم کی تعلیم کا راستہ ہموار رہے یہی وجہ ہے کہ جامعہ کے فارغین نے دیگر شعبوں میں بھی نام روشن کیا ہے۔ جامعہ کی تعمیر و ترقی میں بڑے اخراجات ہیں سارا کام اللہ کی مدد اور آپ حضرات کے تعاون سے ہوتا ہے۔

جامعہ اشرفیہ کے سربراہ اعلیٰ نے تنظیم ابناے اشرفیہ کی کاوشوں کو سراہا اور فارغین اشرفیہ کو ترغیب دی کہ وہ جامعہ اشرفیہ سے جڑیں حضرت قاری اسلام اللہ عزیزی نے اس موقع پر حافظ ملت کی حیات و خدمات پر روشنی ڈالتے ہوئے ان کے مشن کو آگے بڑھانے کے لیے مولانا محمد شرف الدین مصباحی اور ابناے اشرفیہ کو مبارکباد بھی پیش کی۔

مولانا عبدالجبار اعظمی ماہر القادری مصباحی نے فرمایا کہ جامعہ اشرفیہ حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کی علمی یادگار ہے۔ اس ادارہ کے فارغ التحصیل علما ہندوستان بلکہ بیرون ممالک بھی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ جماعت کے ہر فرد کے لیے ضروری ہے کہ ادارے کی تعمیر و ترقی میں حصہ لے۔

الحاج محمد سعید نوری بانی رضا اکیڈمی نے فرمایا کہ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور اور مدارس اسلامیہ در حقیقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مشن کو آگے بڑھا رہے ہیں اس لیے پوری امت کا فریضہ ہے وہ ان مدارس کے تحفظ اور بقا میں حصہ لے اور اپنی نسلوں کو دین محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سے مستفیض کرے تاکہ ہماری آنے والی نسلوں کا ایمان محفوظ رہ سکے۔

مقرر خصوصی نبیرہ حضور حافظ ملت حضرت مولانا نعیم الدین عزیزی مصباحی نے فرمایا کہ جامعہ کے تئیں اہل سنت کے لوگوں کے ماضی میں محبت و عقیدت کے ایسے جلوے دیکھنے کو ملے ہیں کہ ان کو بیان کرنے کے لیے میرے پاس الفاظ کی کمی پڑ رہی ہے۔ الحمدللہ! خصوصیت کے ساتھ فارغین اشرفیہ میں آج بھی جامعہ کے لیے ایک الگ قسم کی دیوانگی نظر آرہی ہے مجھے یہ کہنے میں اب کوئی ہچکچاہٹ نہیں ہے کہ ان شاءاللہ جامعہ کا ہر منصوبہ پایۂ تکمیل تک پہنچے گا جامعہ کے فارغین آج بھی ہر قربانی دینے کے لیے تیار ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ کسی بھی بڑے پروجیکٹ کو ہاتھ میں لینا اپنے آپ میں ایک جوکھم بھرا کام ہے، والد محترم کو جب جامعہ کی ذمہ داری سونپی گئی تو کچھ ایسا ہی تھا؛ لیکن کہتے ہیں کہ ہمت مرداں مدد خدا، اہل مبارک پور کی جذبات و محبت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ جامعہ کے لیے ان کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔

مولانا رجب علی مصباحی، مفتی زبیر احمد مصباحی، مفتی سلمان مصباحی ازہری، مفتی منظر حسن مصباحی، مفتی اختر حسین مصباحی،

مولانا محمد عرفان علیمی، مولانا منظور مصباحی مولانا برکت علی مصباحی مولانا مفتی مبشر رضا مصباحی قاضی شہر بھیونڈی ڈاکٹر نیاز احمد مصباحی ڈپٹی سی ایم حج ہاؤس، ڈاکٹر شیخ احمد پروفیسر مہاراشٹرہ کالج وغیرہ وغیرہ نے بھی اپنے خطاب میں کہا کہ جامعہ اشرفیہ کی تعمیر و ترقی کے لیے جب بھی آواز دی جائے گی ہم سب عزیز ملت کے شانہ بشانہ کھڑے ہیں۔ حضور عزیز ملت کی پچاس سالہ صدارت و سربراہی کے اعتراف میں علما اور مشائخ کے ہاتھوں حضور سربراہ اعلیٰ کی خدمت میں حافظ ملت ایوارڈ اور سپاس نامہ اور چاندی کی صراحی اور گلاس پیش کیا گیا۔

اس پروگرام میں مصباحی الومینائی ایسوسیشن Misbahi Alumini Association کے نام سے ایک ویب سائٹ اور موبائل ایپلیکیشن کا آغاز حضور عزیز ملت قبلہ کے دست مبارک سے کیا گیا۔ یہ ڈیجیٹل پلیٹ فارم مصباحی برادران کے درمیان رابطے و تعاون، اور کمیونٹی کی ترقی کے لیے اہم وسائل فراہم کرے گا، ویب سائٹ اور ایپلیکیشن کے ذریعے، آپ عالمی سطح پر مصباحی برادران سے جڑ سکتے ہیں، تعلیمی اور فلاحی منصوبوں میں حصہ لے سکتے ہیں۔

نظامت مولانا محفوظ الرحمٰن علیمی نے کی اور پروگرام کے منتظم اشرفیہ دفتر کے انچارج مولانا محمد شرف الدین مصباحی اور مولانا محمد عمر نظامی نے آنے والے تمام مہمان علماے کرام کا استقبال کیا اور دیگر لوگوں کا شکریہ بھی ادا کیا۔ اس موقع پر مولانا عبدالرب مصباحی، مولانا مفتی عبد القدوس ممبئی، ڈاکٹر عرفان الرضا مصباحی، مفتی رئیس اختر میرا روڈ، مولانا حافظ محمد اکرم مصباحی آفس انچارج دفتر اشرفیہ شاخ بھیونڈی، مولانا غلام معصوم اکبر اشرفی، ممبئ مولانا قاری واجد علی، مولانا اسد علی، مولانا قاری رفیق احمد، مولانا مظہر حسین علیمی، مولانا فرحان اشرفی، مولانا فیض الحسن مصباحی وڈالا مولانا توحید طرابلسی، مولانا غلام نبی رضا، مولانا عبدالرحمن، مولانا سعد رضا ثقافی، مولانا شبنم بستوی، مولانا اقبال مصباحی، مولانا خادم رسول علیمی، مولانا ابرار احمد مصباحی مولانا قاری عطاء اللہ مصباحی ممبرا، وغیرہ شریک تھے لنگر عزیزی کا بھی کا اہتمام کیا گیا اور حضور عزیز ملت صاحب قبلہ کی دعا پر پروگرام انتہائی کامیابی کے ساتھ اختتام پذیر ہوا۔

بھیونڈی میں حافظ ملت کانفرنس

شہزادۂ حافظ ملت علامہ عبدالحفیظ مصباحی کی خدمت میں ایوارڈ پیش کیا گیا

گزشتہ دنوں عیدگار روڈ بھیونڈی میں الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کا 19 سالانہ جلسہ بنام حافظ ملت کانفرنس کا انعقاد ہوا جس میں عوام و خاص علمانے کثیر تعداد میں شرکت کی۔ مولانا نثار القادری نے بہترین نظامت فرماتے ہوئے قرآن پاک کی تلاوت سے پروگرام کا آغاز کروایا۔ انور رضا و دیگر نعت خواں حضرات نے حمد و نعت و منقبت پیش کی۔ بریلی شریف سے آئے ہوئے خصوصی مہمان ڈاکٹر محمد ناظم خان نے طب نبوی کی روشنی میں حفظان صحت سے متعلق بہترین گفتگو فرمائی۔ مولانا محمد عمر نظامی نے حضور حافظ ملت کی حیات خدمات کو عوام کے سامنے پیش کیا، پھر مولانا عبدالجبار ماہر القادری نے اپنے خطاب میں فرمایا کہ حافظ ملت نے جو پودا لگایا تھا اس پودے کو سینچنا، اس کو ہرا بھرا رکھنا، اور اس کو ایک تناور درخت بنانا یہ کوئی آسان کام نہیں ہے مگر سربراہ اعلیٰ نے یہ کر دکھایا، سربراہ اعلیٰ نے حافظ ملت کے مشن کو آگے بڑھایا اور اپنے تن من دھن سے ملک کی ایک عظیم دینی درس گاہ کو پروان چڑھایا۔ انھوں نے فرمایا کہ جن لوگوں نے حافظ ملت کو نہیں دیکھا ہے وہ آج عزیز ملت کو دیکھ لیں۔

اشرفیہ دفتر ممبئی کے آفس انچارج مولانا محمد شرف الدین مصباحی نے عوام اہل سنت کو اشرفیہ کے تعاون کی ترغیب دلاتے ہوئے فرمایا کہ ہمارے جتنے بھی علما ہیں سب ایک سے بڑھ کر ایک اخلاق و کردار، گفتار و رفتار کے غازی ہیں مگر حضرت عزیز ملت نے اپنی زندگی کے 50 سال اشرفیہ کو وقف کر کے ایسی کامیاب

سربراہی وصدارت وقیادت فرمائی کہ جس کی نظیر نہیں ملتی، انھوں نے کہا کہ اشرفیہ کے تعاون کے لیے بھیونڈی کے ہر گھر، دکان، دفتر اور ہوٹلوں میں اشرفیہ کا اسکینر (بار کوڈ) لگنا چاہیے تا کہ آپ کا تعاون ڈائریکٹ اشرفیہ میں پہنچے۔ ہر فرد ہر مہینے کم از کم 100 روپے کا تعاون ضرور پیش کرے اور جامعہ اشرفیہ کے مطبخ کا یومیہ خرچ 35000 روپے ہے اگر ایک دن کا خرچ ایک آدمی ادا کر دے دوسرے دن کا خرچ دوسرا آدمی اسی طرح 30 لوگ ذمے داریاں سنبھال لیں تو حضرت عزیز ملت قبلہ کا بوجھ ہلکا ہو جائے گا۔ اسی طرح ایک ماہ کا خرچہ 1050000 دس لاکھ پچاس ہزار ہوتا ہے اور ایک سال کا 10500000 ایک کروڑ پانچ لاکھ روپیے ہوتے ہیں، توجہ فرمائیں تو سب آسان ہو جائے گا۔

مولانا عبید الرحمن اشرفی مالک شارح بخاری ٹور نے فوراً آگے بڑھ کر مائیک پر کھڑے ہو کر اپنی طرف سے 51 ہزار روپئے اشرفیہ مبارکپور کو دینے کا اعلان کیا اور اشرفیہ کی اہمیت و افادیت عوام الناس کے درمیان رکھی اور کہا کہ اشرفیہ کا تعاون کرنے اور کروانے میں ہم کل بھی لگے تھے آج بھی لگے ہیں اور آئندہ بھی لگے رہیں گے اور عزیزِ ملت پر تو ہم تن من دھن سے قربان ہیں۔

مولانا وقار احمد عزیزی نے کہا کہ دورِ حافظ ملت میں بڑے بڑے فتنوں نے سر اٹھایا تھا ہمارے اکابر لوگوں کا ایمان بچانے میں مصروف تھے ایسے وقت میں مسلکِ اعلیٰ حضرت کی حفاظت کے لیے اور آنے والی نسلوں تک مسلک اعلیٰ حضرت کو پہنچانے کے لیے اللہ نے جس شخصیت کا انتخاب فرمایا اسے معمارِ قوم و ملت حضور حافظ ملت کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اعلیٰ حضرت نے کتابیں لکھ لکھ کر دین کی حفاظت کا سامان تو عطا فرما دیا تھا لیکن اعلیٰ حضرت کی کتابوں سے اکتساب کرنے والے لوگ کہاں سے آئیں گے۔ حافظ ملت نے وہ افراد عطا فرمائے، جامعہ اشرفیہ کی شکل میں دین کا ایک مضبوط قلعہ عطا فرمایا جس کے ذریعے علم کی روشنی ملک و بیرون ملک پھیلتی چلی گئی اور ہر سمت لعل و گہر پیدا ہوتے چلے گئے۔

حج کمیٹی مائنارٹی کے چیف افسر ڈاکٹر نیاز احمد مصباحی نے اپنے خیالات کا اظہار فرمایا اور عزیز ملت کی خدمات کو سراہا پھر مقرر خصوصی نبیرۂ حافظ ملت حضرت مولانا نعیم الدین مصباحی نے اپنے خطاب میں فرمایا کہ الجامعۃ الاشرفیہ، اشرفیہ اس لیے ہے کہ یہاں فیضان برکات، فیضان رضا، فیضان اشرفی، اور فیضان امجدی جاری ہیں۔ جب ان چاروں فیضانوں کا سنگم ہوتا ہے تو اسے الجامعۃ الاشرفیہ کہا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اشرفیہ تمام مسلمانوں کی ضرورتوں کو پوری کر رہا ہے اور یہ کہ اشرفیہ کسی فردِ واحد یا کسی ایک خاندان کی جاگیر نہیں بلکہ یہ پوری امت اسلامیہ کا ادارہ ہے۔ حافظ ملت نے آخری وقت میں فرمایا تھا کہ ملت جسے چاہے میرا جانشین مقرر کر لے اور ملت نے ہی عزیز ملت کا انتخاب کیا، آج دنیا اپنے ماتھے کی آنکھوں سے دیکھ رہی ہے کہ عزیز ملت نے کامیاب سربراہی کے 50 سال مکمل فرما لیے، تعمیر و ترقی کا سفر آج بھی جاری ہے اور آئندہ بھی ہم ان شاءاللہ کام کرتے رہیں گے۔ پھر اس کے بعد سربراہِ اعلیٰ نے دعائیہ جملوں کے ساتھ اشرفیہ کے تعاون کی گزارش کی اور تمام مصباحی برادران و علمائے اہل سنت کی حوصلہ افزائی فرماتے ہوئے زمین کے اوپر کام زمین کے نیچے آرام کے مطابق زندگی گزارنے کی نصیحت کی۔

پروگرام کے کنوینر حافظ محمد اکرم اشرفی (خطیب و امام میمن مسجد بھیونڈی) نے بتایا کہ آج کی یہ شام عزیزِ ملت کے نام ہے، حضرت کے شایانِ شان ہم خدمت نہیں کر سکے۔ پھر مصباحی برادران و علمائے اہل سنت بھیونڈی کی جانب سے جانشینِ حافظ ملت علامہ عبدالحفیظ قبلہ کو ان کی دینی و علمی و ملی خدمات کے اعتراف میں حافظ ملت ایوارڈ اور سپاس نامہ پیش کیا گیا۔ رضا اکیڈمی شاخ بھیونڈی اور ایم یو ایف کی جانب سے بھی علمائے کرام بطورِ خاص حضرت سربراہ اعلیٰ کو شال پہنا کر گلپوشی کی گئی۔ اخیر میں صلاۃ وسلام اور عزیز ملت کی دعاؤں پر پروگرام کا اختتام ہوا۔

جاری کردہ: اشرفیہ دفتر شاخ بھیونڈی

خیابان حرم

امامِ اعظم

خدا ہی جانے تمھارا رتبہ ہے کتنا اونچا امام اعظم
سبھی اماموں نے تم کو اپنا امام مانا امام اعظم

اگر ثریا پہ علم ہوتا، اسے بھی پالیتا ابن فارس
تمھی ہو مصداق اس بشارت کے میرے آقا امام اعظم

تمھاری شانِ تفقُّہ کیا ہے کوئی بتائے تو کیا بتائے
جہاں میں کوئی فقیہ تم سا نظر نہ آیا امام اعظم

امامِ مالک سا مجتہد ہو، یا کوئی اَعمش سا ہو محدث
تمھاری تعریف سے ہر اک کی زباں ہے تر، یا امام اعظم

جہاں میں جتنے محدثیں ہیں، سبھی پہ فیضان ہے تمھارا
ہوں ترمذی یا بخاری، مسلم یا ابن ماجہ امام اعظم

تمھی نے تدوین فقہ کی ہے تمھی سے اس فن کی زندگی ہے
تمھارے ممنون ہیں یقیناً تمام فقہا امام اعظم

سراجِ امت، وقارِ ملت، امیر دیں، رہبر شریعت
رسولِ اعظم کا معجزہ ہیں عطائے مولیٰ امام اعظم

خدا سے جب ہم کریں دعائیں تمھارا کیوں کر نہ واسطہ دیں
بنایا جب شافعی نے تم کو وسیلہ اپنا امام اعظم

کر اپنی قسمت پہ ناز قاسمؔ ہے تیری نسبت عظیم کتنی
کہ تیرا مرشد ہے غوثِ اعظم امام تیرا امامِ اعظم

از: **مولانا محمد قاسم مصباحی**، استاذ جامعہ اشرفیہ

دوسرا کوئی نہ آئے گا

کلمہ پڑھانے دوسرا کوئی نہ آئے گا
جنت دلانے دوسرا کوئی نہ آئے گا

آئیں گے بس رسول ہی، دنیا ہو یا کہ حشر
اور کام آنے دوسرا کوئی نہ آئے گا

محشر کی سرخ دھوپ میں نکلے گی جب زباں
کوثر پلانے دوسرا کوئی نہ آئے گا

اک ہانڈی سے ہزار کے لشکر کو اب کبھی
کھانا کھلانے دوسرا کوئی نہ آئے گا

مشکل گھڑی میں چھوڑ کے ان کو چلے کہاں
بگڑی بنانے دوسرا کوئی نہ آئے گا

ان کے علاوہ دشمنِ جاں کو کبھی کہیں
دل سے لگانے دوسرا کوئی نہ آئے گا

گلشن بسانے والے ملیں گے تمام لوگ
صحرا بسانے دوسرا کوئی نہ آئے گا

لوح و قلم کے مالک و مختار ہیں وہی
قسمت بنانے دوسرا کوئی نہ آئے گا

بجھتی کو پھونک مار کے بھڑکائیں گے سبھی
جلتی بجھانے دوسرا کوئی نہ آئے گا

از: **مہتاب پیامی**

R.N.I. No. 29292/76
Regd. No. AZM/N.P.28 2023-25

THE ASHRAFIA MONTHLY

MARCH 2025

Mubarakpur Azamgarh (U.P.) 276404 (INDIA)

(Mob. No.) 9450109981 (Mumbai Office) 022-23726122 (Delhi Office) Tel. 011-23268459, Mob.No. 9911198459

www.aljamiatulashrafia.org Email: info@aljamiatulashrafia.org

الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور

الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کا علمی فیضان ہندوستان گیر ہی نہیں بلکہ اب عالم گیر ہوگیا ہے۔ اشرفیہ نے جس برق رفتاری سے ارتقائی منزلیں طے کی ہیں اشرفیہ کے معاونین اور دیگر اہلِ خیر اس سے بخوبی واقف ہیں۔ اس وقت دو سو پچاس سے زائد افراد پر مشتمل ایک متحرک اور فعال اسٹاف اپنے فرائض کی انجام دہی میں مصروف ہے اور مختلف شعبوں میں تقریباً گیارہ ہزار طلبہ تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ بیرونی طلبہ کی خوراک، رہائش اور اساتذہ و ملازمین کی تنخواہوں پر ایک خطیر رقم سالانہ خرچ کی جاتی ہے۔ لہٰذا یہ ادارہ بجا طور پر اہلِ خیر حضرات کی خصوصی توجہ کا طالب ہے۔ والسلام

عبدالحفیظ عفی عنہ
سربراہِ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور

DONATION

You can make donation by cheque, Draft or by online in the favour of–

(For Education) برائے تعلیمی چندہ	(For Construction) برائے تعمیری چندہ
(1) Darul Uloom Ahle Sunnat Madrasa Ashrafia Misbahul Uloom **Central Bank of India** **A/C 3610796165** IFSC. Code: CBIN 0284532	(1) Aljamiatul Ashrafia **Central Bank of India** **A/c 3610803301** IFSC. Code: CBIN 0284532
(2) Darul Uloom Ahle Sunnat Madrasa Ashrafia Misbahul Uloom **Union Bank of India** **A/C 303001010333366** IFSC. Code: UBIN 0530301 Branch Code: 530301	(2) Aljamiatul Ashrafia **Union Bank of India** **A/c 303002010021744** IFSC. Code: UBIN 0530301 Branch Code: 530301
(3) Darul Uloom Ahle Sunnat Madrasa Ashrafia Misbahul Uloom **Punjab National Bank** **A/c 05752010021920** IFSC. Code : PUNB0057510	(3) Aljamiatul Ashrafia **Punjab National Bank** **A/c 05752010021910** IFSC. Code : PUNB0057510

(1)- Exempted u/s 80G, (5) (VI), of Income Tax Act. 1961, Vide File No. Aa.Ayukt/Gkp/80G, Redg. S.No. 178/2011-12 Dt. 30/8/2011 w.e.f A.Y 2012-13 (F.Y.2011-12)
(2)- Exempted u/s 12A, Vide Letter No. 177/2011-12

BHIM
BHARAT INTERFACE FOR MONEY

BHIM UPI Payments Accepted at
Darul Uloom Ahle Sunnat
Madrasa Ashrafia Misbahul Uloom
Account Number : 3610796165, IFSC Code: CBIN0284532

SCAN & PAY ANY UPI SUPPORTED APPS

Only for Foreign Countries. FCRA Registration. No.236250051 Nature: Educational Social. For Account Detail, please visit http://aljamiatulashrafia.in/donation.php?lang=EN